فجعلناهم سلفاً ومثلاً للآخرين

علمای سلف

معروف بہ

رسالہ محققان الاسلام و علم کی فضیلت میں

جس میں گذشتہ علمای الاسلام کی حالات مع تاریخی رسالہ

جس کو

جناب مولانا مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس بھیکن پور ضلع علیگڈھ

نے

ندوۃ العلماء کے چھٹے سالانہ جلسے میں بمقام میرٹھ پیش کیا

حسب فرمائش جناب مولانا مولوی محمد مراد صاحب

مطبع مجتبائی باہتمام طلیب الرحمن چھپا

دار العلوم

اگرچہ آج کل عربی کے بہت سے چھوٹے بڑے مدرسے قایم ہوتے جاتے ہیں مگر علوم عربیہ اور دینیہ کی جیسی ترقی ہونی چاہیے نہیں ہوتی بلکہ روز بروز طلبا کے اخلاق و عادات ابتر ہوتے جاتے ہیں اور جو نامور اور باکمال علما اٹھتے ہیں انکا کوئی جانشین اور قایم مقام نہیں ہوتا اگر چند دنوں خدانخواستہ یہی حالت رہی تو اسبات کا اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ علوم عربیہ و دینیہ رخصت ہو جاینگے اور جو ہمارے دینی واقفیت کا ذریعہ تہا اسکے مٹ جانے سے ہم قرآن و حدیث کے سمجہنے سے عاجز ہو جاینگے یا یوں کہنا چاہیے کہ اپنے دین و مذہب کو کہو بیٹہینگے (خدا نکرے) اسلیے ندوۃ العلماء نے علما اور روسا کے مشورے سے یہ تجویز کیا اور ایک اسلامی دار العلوم قایم کیا جاے جسمین ابتدا ہی سے خاص طرح کی تعلیم و تربیت ہو تاکہ ایسے روشن دماغ طلبا پیدا ہوں جو علاوہ علمی فضل و کمال کے اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے ہر دل عزیز ہوں اسی تجویز کے مطابق یہ طے ہو گیا کہ بالفعل دار العلوم کا ابتدائی درجہ لکہنؤ مین کہولدیا جاے اسدرجے مین صرف و نحو کی پوری اور فقہ حدیث تفسیر عقاید منطق کی بقدر ضرورت تعلیم ہوگی اور حساب اقلیدس اور فرائض کے عملی مشق کرائی جاے گی اسکا بہی انتظام کیا جاینگا کہ انگریزی خوان طلبہ کو دینیات اور عربی کی تعلیم دیجاے دار المقامہ (بورڈنگ ہوس) بہی قایم کیا جاینگا جسمین طلبا کی سکونت خورد و نوش لباس علاج اور ورزش جسمانی کا انتظام ہوگا اور تربیت اور درستی اخلاق پر خاص طور پر نگرانی کیجاینگی جو لوگ اپنے مصارف کے خود متکفل ہو سکتے ہیں ایسے دار المقامہ کے مصارف لیے جاینگے اور جو طلبا غیر مستطیع مگر شایق و ذہین ہونگے ان کو مدرسے کیطرف سے وظیفہ دیا جاینگا پس جو لوگ اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتے ہیں انکے لیے ضرور ہے کہ پہلے دار العلوم کے اسدرجے مین اپنے لڑکون داخل کرین تاکہ وہ تہوڑی مدت مین عربیت اور دینیات سے بقدر ضرورت واقف ہو جائین اور انکے ابتدا ہی سے دلون مین ایمان کا تخم جم جاے اور جب وہ انگریزی تعلیم حاصل کرین تو آزادی اور دہریت کے اثر سے محفوظ رہیں اور اسقدر انکو استعداد پیدا ہو کہ جب وہ اسمین ترقی کرنا چاہین تو کر سکین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

خزاں رسید و گلستان آں جمال نماند	سماع بلبل شوریدہ رقت و حال نماند
نشان لالہ ازین باغ از کہ می پرسی	برو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

شوال سنہ ۱۳۱۱ھ کا ذکر ہے کہ ندوۃ العلما کا اول اجلاس شہر کانپور میں منعقد ہوا تھا جسمیں دیار ہند کے اکثر مشاہیر علما رونق افزا تھے۔ بزم انکے جمال کمال سے روشن تھی اور نگاہ انکے کمال جمال سے منور۔ اور ایک ایسا پاکیزہ منظر پیش نظر تھا جو تاریخ ہندوستان میں اپنی آپ ہی نظیر تھا۔ میری آنکھیں جب ان نورانی شکلوں کے دیدار سے فیضیاب ہوئیں تو چشم بصیرت میں ایک نور پیدا ہوا جسکی روشنی میں گذشتہ زمانہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو قدما سے عالم میں صدہا برس کی راہ طے کر چکا ہے یعنی متاخرین کا مجمع دیکھکر متقدمین کا تصور بندھا اور انکے حالات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ یہ شوق ہنوز دل میں قائم تھا کہ جناب مولانا سید محمد علی صاحب ناظم ندوہ نے ایک نقشہ مضامین شائع فرمایا جسمیں چند عنوان اس غرض سے درج تھے

کہ ایسے جلیلہ وہ کے لئے مضامین لکھے جائیں۔ اتفاقاً انہیں ایک عنوان علمائے سلف بھی تھا۔ اس نقشے کو دیکھکر پہلی تحریک میں ایک تازہ جوش پیدا ہوا اور باوجود بے مائگی یہ سوچکر کہ اس ذریعے سے چندے ان بزرگوں کی بھی معنوی ہمنشینی نصیب ہو جائیگی عنوان بالا کو میں نے لے لیا ؎ گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ٭ در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام ٭ اس رسالے کی تیاری کیواسطے حسب ذیل کتابیں میں نے نقطہ بہ نقطہ پڑھیں اور انہیں سے حالات انتخاب کیے۔ تذکرۃ الحفاظ از امام شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ (کشف الظنون) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان از قاضی القضاۃ ابی العباس احمد ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء از امام ابی البرکات عبدالرحمن ابن محمد انباری المتوفی ۵۷۷ھ (کشف الظنون) مطبوعہ مصر ۱۲۹۴ھ عیون الانباء فی طبقات الاطباء از طبیب عالم موفق الدین ابو العباس احمد ابن القاسم المعروف ابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ مطبوعہ مطبع وہبیہ مصر ۱۲۹۹ھ الشقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ از مولی طاشکبری زادہ رومی المتوفی ۹۶۸ھ (العقد المنظوم) مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم مطبوعہ مطبع بالا۔ ان کتابوں کے علاوہ حسب ذیل کی کتابوں سے بھی مدد لیگئی ہے۔ مقدمہ فتح الباری للامام ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ (کشف الظنون) مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۲ھ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان للمفتی احمد بن حجر المکی المتوفی ۹۷۳ھ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۱ھ۔ رحلۃ ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ المعروف بابن بطوطہ مطبوعہ مطبع وادی النیل مصر ۱۲۸۷ھ۔ کامل از علامہ ابن اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ (ابن خلکان) مطبوعہ مطبع ذات التحریر مصر ۱۳۰۳ھ الملل والنحل از عبدالکریم شہرستانی مطبوعہ ۱۲۹۹ھ۔ بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم مطبوعہ [illegible]

؎ ابن بطوطہ کی سیاحت کا آغاز ۷۲۵ھ میں ہوا اور اختتام ۷۵۶ھ میں۔

المطرب فی تقدمات العرب از نوفل افندی مطبوعہ مطبع امیرکان بیروت۔ کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام بزدوی از امام عبد العزیز بخاری المتوفی سنہ ۷۳۰ھ مطبوعہ مطبع صحافیہ عثمانیہ قسطنطنیہ سنہ ۱۳۰۸ھ۔ اس فہرست کے پیش کرنے سے اپنا بلاغ نظر جتانا مقصود نہیں بلکہ یہ اظہار مطلوب ہے کہ یہ کتاب کس قسم کے ماخذ سے صورت پذیر ہوئی ہے۔ اس موقع پر اتنی گزارش کی اور ضرورت ہے کہ اس ناچیز تحریر میں جو بعض حالات و واقعات سے گفتگو کی ہے یا جو نتیجہ ان سے نکالا گیا ہے وہ مؤرخانہ حیثیت سے ہے نہ فقیہانہ یا متکلمانہ حیثیت سے اور اس سے مقصود گزشتہ علمائے اہل اسلام کے حالات کا لکھنا ہے نہ کسی مذہبی مسئلے کا فیصلہ کرنا۔

حوالہ و اقتباسات لکھتے وقت حسب ذیل علامتوں سے کام لیا گیا ہے

ت ۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ابن ۔ ابن خلکان شق ۔ شقائق النعمانیہ عیون ۔ عیون الانباء نزہۃ ۔ نزہۃ الالباء

مقدمہ ۔ مقدمہ فتح الباری۔ ج ۔ جلد ص ۔ صفحہ

شقائق نعمانیہ کی تقسیم جلدوں پر اس کے مصنف نے نہیں کی ہے۔ مگر چونکہ یہ کتاب تاریخ ابن خلکان کی دونوں جلدوں کے حاشیے پر درج ہے اور دونوں جلدوں کے صفحوں کا شمار جدا جدا ہے اس لیے حاشیے کی کتاب کی بھی تقسیم کر دی گئی ہے۔

ہر واقعے کا حوالہ مع جلد و صفحہ کتاب اس کتاب کے ہر صفحے کے نیچے لکھ دیا گیا ہے اور اس طرح میں نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا ہے جو تصنیف و تالیف میں میرے ذمے تھا۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

خادم العلما

محمد حبیب الرحمن خان شروانی

بھیکن پور ضلع علیگڑھ

۱۹۔ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

فہرست مضامین رسالہ علمائے سلف

عنوان اوّل

طلب علم

علماء سلف کے جن حالات سے ہم بحث کرنا چاہتے ہین اون مین طلب علم کو سب سے اول ہم نے قائم کیا ہی اہل علم کی زندگی کے مختلف مدارج ہین یہ منزل سب سے پہلی ہے اور نیز اسکا تقدم نہ صرف بہ لحاظ زمانے کے ہی بلکہ باعتبار اہمیت و شان کے اول ہی۔ یہی وہ منزل ہی جو اس بات کا فیصلہ کر دیتی ہی کہ کون منزلِ مقصود تک پہونچے گا اور کون حرمان نصیب ہوگا ایک عالِم کا ذکر آپ آگے پڑہینگے کہ ایک شب نے دو طالب علموں کو اُنھون نے دو حالتون مین پایا۔ ایک تکیے کا سہارا لیے مطالعہ کتاب کر رہا تھا دوسرا دو زانو مستعد بیٹھا کتاب بینی مین مشغول تھا اور وقتاً فوقتاً کچھہ لکھتا بھی جاتا تھا۔ جوہر شناس اُستاد نے یہ ماجرا دیکھکر اول کی نسبت کہا کہ اِنّہ لا یبلغ درجۃ الفضلِ دوسرے کی بابت فرمایا کہ سیُحصّل الفضل و یکونُ لہ شان فی العلم آگے چلکر صاف ثابت ہو گیا کہ یہ پیشین گوئی بالکل سچی تھی لیس جو منزل اس طرح آیندہ زندگی کا فیصلہ کر دینے والی ہو اُسکے مہتم بالشان ہونے مین کس کو کلام ہو سکتا ہی اِس منزل کو اگر صرف اول منزل کہکر چھوڑ دیا جائے تو ایک پہلو اُسکا بیان ہوگا جس طرح یہ منزل سب سے اول ہی اُسی طرح سب سے آخر ہی بلکہ یہ کہنا قطعاً مبالغے سے مبرا ہے کہ باکمال علما کی زندگی مین اول سے آخر تک یہ منزل ختم نہین ہوتی آپ آگے کے صفحوں مین بہت سے واقعے اِس دعوے کی تائید مین پائینگے اہل کمال تو ۹۰ برس کی عمر مین بھی طالب علم تھے اور جب

اُنکی روح سکرات کے تلاطم میں تھی اُنکا دل و دماغ خدمتِ علم میں مصروف تھا **شعر**

مہر تو در وجودم و عشق تو در سرم ۔۔۔ با شیر اندرون شد و با جان بدر شود

شیخ الاسلام انصاری نے فرمایا ہی کہ ھٰذا الشانُ شانٌ مَنْ لَیْسَ لَہٗ شانٌ سِوٰی ھٰذا الشانِ یعنی طلب علم اُن جوان مردوں کا کام ہی جن کو مقصود بالذات یہی کام ہو۔ طالب علمی کے مختلف دور ہیں۔ پہلا دور مکتب یا مدرسے میں اُستاد کی زیر نگرانی ختم ہوتا ہی اور عمارت کا منصوبہ دماغ میں قائم کرے اور اُس کی بنیاد بھر کر سطح زمیں سے کچھ بلند کر دے اور اتنی محنت کے بعد وہ یہ خیال کرے کہ میں مکان بنا چکا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عالیشان عمارت بن چکی۔ چند روز میں ہوا اور بارش کے صدمے اُسکی بنیاد کو بھی نسیاً منسیاً کر دینگے اور اُسکے بانی کی پست ہمتی کی ایک عبرتناک یادگار قائم رہجائیگی۔ بجنسہ یہی حال اُن ہونہار طالب علموں کا ہی جو مدرسہ چھوڑ کر یہ سمجھ لیں کہ ہم عالم بن چکے۔ یہ طلبہ بھی اپنی ہونہاری کا خون کر کے اپنے اُستاد اور دوستوں کے دلوں کو حسرت کا داغ دینگے۔ دوسرا دور طالب علمی کا مدرسے کے بعد شروع ہوتا ہی جس میں انسان خود شاگرد بنتا ہے اور خود استاد ؎ معلم کیست عشق و کنج خاموشی و بہتانش ۔ سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش ۔ نہ ہر کس نا بد این اُستاد شاگردی نہ ہر کوہے بدخشاں باشد و ہر سنگریزہ لعل رخشانش ۔ اِس دور کی انتہا وہ ہے جو بلند خیال ابن العلا نے مقرر کی ہے یعنی ما دامت الحیوۃ تحسن بہ یہی دور کمال کا دور ہے۔ پس طالب علمی اور کمال گویا ایک ہی ہیں اور اسی لحاظ سے ہم نے طلب علم کو اول اور آخر منزل قرار دیا ہی۔

جن جوان مردوں نے میدان طلب علم کو طے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کیسی معرکہ خیز اور صبر آزما ہی کہیں افلاس کا مردم خوار دیو اپنی منحوس صورت دکھلاتا ہے اور قوتِ لایموت کے حاصل ہونے کی بھی کوئی شکل نظر نہیں آتی کبھی جڑی بوٹی کے پتوں پر بسر کرنی ہوتی ہی اور

کبھی نان بائی کی دوکان پر صرف بوئے طعام پر قانع ہونا پڑتا ہی۔ کہیں محنت اور مشقت سے دل گھبراتا ہی اور چھکے چھوٹتے ہیں۔ کسی کو ناز و نعمت کے کرشمے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ کسی کی نفسانی خواہشیں دست بگریباں ہوتی ہیں۔ غرض ایک ہنگامہ بلاخیز سے سامنا کرنا پڑتا ہی۔ جن ارادوں میں ذرا بھی قوت کی کمی ہوتی ہے وہ ان معرکوں کے مقابلے میں پست ہو جاتے ہیں اور زبان حال پر انکی لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ کا مضموں ہوتا ہے۔ لیکن سچی طلب اپنا راستہ صاف کرکے طالب کو مطلوب تک پونہچا دیتی ہی۔ اور جس قدر وقت اور صعوبت پیش آتی ہی ان بہادر طالبوں کے عزم زیادہ مستحکم اور حوصلے زیادہ بلند ہوتے جاتے ہیں۔ اگر حوصلوں میں وسعت اور ارادوں میں استحکام نہوتا تو اہل اسلام کو شیخ الاسلام بقی بن مخلد امام بخاری اور حکیم ابونصر فارابی نصیب ہوتے کیا چقندر کے پتے اور جنگل کی گھاس کھاکر اور شب کو پاسبانوں کی لالٹینوں سے مطالعہ کرکے امام اور حکیم بنجانا آسان ہی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ کون سی قوت تھی جس نے علی بن عاصم عراقی اور ابن سنجر کو ناز و نعمت کے آغوش سے چھین کر راہ طلب میں سرگرداں کر دیا اور آخر یہاں تک پہنچایا کہ ایک کو مسند عراق اور دوسرے کو حافظ کبیر بنا کر چھوڑا۔ بیشک یہ طلب صادق ہی کا کرشمہ تھا اتنی تمہید یہ امر ناظرین با تمکین کے ذہن نشین کر سکے گی کہ ہم علمائے سلف کی طلب علمی کی نسبت کس کس پہلو پر بحث کرنے والے ہیں۔ اور سچی طلب کا معیار ہمارے پاس کیا ہی۔

افلاس

انسان کا حوصلہ پست کرنے والی اور ہمت کی کمر توڑنے والی دنیا میں کوئی چیز غالباً افلاس سے بڑھکر نہیں ہی۔ مفلسی میں پھنسکر آدمی عزم کا استحکام اور ارادے کی استواری بالکل کھو بیٹھتا ہی۔ اور دل و دماغ کی شگفتگی جو تمام بلند خیالیوں کا سرچشمہ ہی قطعاً معدوم ہو جاتی ہی۔ اگر ایک سرسبز چمن کی سیرابی کے سارے ذرائع مسدود کر دیے جائیں تو وہ مایہ بہجت سراپا وحشت بنجائے گا اور ظاہر ہی کہ جس چمن کے نشو و نما یافتہ گلبن جل کر ہیزم

خشک ہو جائیں اُس میں تازہ نوبادوں کے اُگنے کی کیا امید ہو سکتی ہے بعینہ یہی مصیبت افلاس کے ہاتھوں انسانی دل و دماغ پر نازل ہوتی ہے مفلسی نہ صرف موجودہ خیالات کا ناس مارتی ہے بلکہ آیندہ حوصلوں اور اُمنگوں کا پیدا ہونا بھی بند کر دیتی ہے ؎ آنچہ شیران را کند روبہ مزاج ۔ احتیاج ست احتیاج ست احتیاج ۔

خدا جانے کتنی قابلیتوں کا خون اس مردم خوار دیو کی گردن پر ہے اور کس قدر مستعد اور اس بیدرد کے ہاتھوں ضائع ہوئی ہیں ۔ جو بلند ہمت نوجوان اپنے بڑھتے ہوئے ارادوں میں افلاس کے پھندے میں پھنسکر مایوسی کے ساتھ بیدست و پا رہجاتے ہیں اُنکی مثال بجنسہ ایسی ہے کہ ایک سیاہ ہرن اپنی طاقت اور قوت کے زعم میں اکڑا چلا جا رہا ہے میدان کی وسعت اُسکے دل میں اُمنگیں پیدا کر رہی ہے اور قدم قدم پر اُسکی چال بڑھتی جاتی ہے ناگاہ وہ صیاد کے مضبوط پھندوں میں (جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں) پھنسکر گر پڑا اب وہ جسقدر اپنی قوت صرف کرتا ہے اُتنی ہی اُن پھندوں کی گرفت سخت ہوتی جاتی ہے ۔ جن لوگوں نے یہ منظر ملاحظہ کیا ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ جنگل کا آزاد منش پہلوان کیسا اُن پھندوں میں پڑ کر اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے ۔ آہ اے افلاس! آج تو مسلمانوں کے حوصلوں پر ہمیشہ سے زیادہ بیداد کر رہا ہے ۔ جب قوم میں حوصلوں کا قحط اور ہمت کا کال ہو اُس میں اگر کچھ اولوالعزم جویاے کمال نکل آئیں تو اُنکو تو پیسکر رکھدے ۔ ہاے یہ کیسا ظلم ہے ۔ لیکن تجکو یاد ہوگا کہ تیرا زور آجکل کی طرح ہمیشہ ہماری ہمتوں پر غالب نہیں رہا ۔

کیا تجکو یاد نہیں ہے کہ جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو اُنکی مقدرت کی کُل کائنات یہ تھی کہ اُنکی دلسوز والدہ نے سو کُلچے پکا دیے تھے جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے ۔ روٹیاں مہرباں ماں نے پکا دی تھیں سالن ہونہار

اور دلبر فرزند نے خود تجویز کر لیا اور اتنا کثیر کہ آج تک صدہا برس گذر جانے
کے بعد بھی ویسا ہی تر و تازہ موجود ہے وہ کیا؟ دجلے کا پانی۔ حجاج ہر روز ایک
روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے جس روز وہ روٹیاں
ختم ہو گئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا[1]۔ شیخ الاسلام تقی بن
مخلد اس سے بھی زیادہ مؤثر ایک حکایت بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ
میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس پر ایام طالب علمی میں اتنا سخت زمانہ
گذرتا تھا کہ بے مائگی کی وجہ سے چقندر کے پتے کھا کھا کر بسر کرتا۔ پتے کھانا کچھ
زیادہ عجیب بات نہیں۔ بھوک وہ بلا ہے کہ سخت جگر بچوں کے کباب ماں باپ
کو کھلا کر چھوڑتی ہے۔ قابل تحسین ہزار آفرین یہ امر ہے کہ جس افلاس نے چقندر
کے پتے کھانے پر مجبور کیا اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ علمی شوق پر غالب آتا اور
اس دلبر طالب علم کی ہمت توڑ دیتا۔ بادش بخیر امام بخاری کو ایام طالب علمی میں
ایک سفر میں تہیدستی نے اتنا مجبور کیا کہ تین دن برابر انھوں نے جنگل کی
بوٹیاں کھائیں[2]۔ ابن المقری۔ ابو الشیخ۔ اور طبرانی یہ تینوں شیخ عمر ایک زمانے[3]
میں مدینہ طیبہ میں طالب علمی کرتے تھے۔ ایک بار ان پر ایسا وقت آیا کہ خرچ کی
قلت نے بہت پریشان کیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ روزے پر روزہ رکھا
بھوک نے جب بہت مضطرب کیا تو انھوں نے حضرت سرور کائنات کا وسیلہ ڈھو
نڈھا اور سب کے سب ملکر روضۂ عالی پر گدایانہ حاضر ہوئے اور صدا دی کہ یا رسول
اللہ الجوع۔ اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ یا موت آئیگی یا روزی

---

۱ (تذ ج ۲ صفحہ ۱۳۰) ۲ (تذ ج ۲ صفحہ ۲۰۲) ۳ (مقدمہ صفحہ ۴۶۷)

ابن مقری اور ابو الشیخ لوٹ کر خود گاہ پر چلے آئے۔ وہ صدا خالی کب جاتی کچھ عرصے کے بعد دروازہ مکان پر کسی نے دستک دی دروازہ جو کھولا تو دیکھا کہ ایک والا دودمان علوی مع دو غلاموں کے تشریف فرما ہیں اور غلاموں کے سروں پر بہت سامان رکھا ہوا ہے۔ اُنکو دیکھکر علوی نے کہا کہ آپ لوگوں نے میری شکایت حضور نبوی ہیں کی خواب میں آپ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ تمہارے پاس کچھ پہونچا دوں چنانچہ یہ حاضر ہے۔

شیخ الفقہا امام برقانی جب اسفرائن پڑھنے گئے تو اُنکے پاس تین اشرفیاں اور ایک درہم تھا سو اتفاق سے اشرفیاں راہ میں گم ہو گئیں درہم باقی رہ گیا۔ اسفرائن پہونچکر وہ درہم انھوں نے ایک نان بائی کے یہاں جمع کر دیا۔ ہر روز نان بائی کے یہاں سے دو روٹیاں لے لیتے اور احمد بن بشر کے یہاں سے ایک جز کتاب کا لاکر شام تک نقل کرتے اور شام کو نقل شدہ جز واپس پہنچا دیتے تیس جز نقل ہوئے تھے کہ درہم ختم ہو گیا اور اُنھوں نے مجبور ہو کر اسفرائن سے سفر اختیار کیا۔ امام ابو علی بلخی جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اسقدر تنگ ہوئے کہ کئی فاقوں کی نوبت پہنچی۔ اور ضعف نے لکھنے سے معذور کر دیا جب بھوک کی اذیت برداشت نہ ہو سکی تو نان بائی کی دوکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو سے ہی کچھ تقویت طبیعت کو پہونچا لیں۔

فن حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرے رہا ایک وقت تنگدستی کی یہ نوبت پہونچی کہ کپڑے تک بیچ کر کھا لئے جب کپڑوں کی قیمت بھی خرچ ہو گئی تو دو دن بھوکا رہا آخر ایک دوست سے حال

۱؎ (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۱۵۳) ۲؎ (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۲۷) ۳؎ (تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

حاصل کرنا پڑا۔ اتفاق قسمتی سے اُسکے پاس ایک اشرفی تھی نصف اُسنے مجلد و ہدی۔[1] شیخ الاسلام ابو العلائی ہمدانی کو بغداد میں اس حال میں کسی نے دیکھا کہ رات کو مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر اُن کو روغن خریدنے کی مقدرت ہوتی تو یہ تکلیف و صعوبت کیوں گوارا کرتے۔[2] حکیم ابو نصر فارابی جس کا آج عالم میں شہرہ ہے اس کی نسبت بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ عہد طالب علمی میں تہی دستی کی بدولت چراغ کا تیل خریدنے سے بھی معذور تھا تاہم اُس کا شوق بیکار رہنے والا نہ تھا۔ رات کو پاسبانوں کی قندیلوں سے کام لیتا اور اون کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتا۔ اسی تنگ حالی میں اُس نے وہ علمی ترقی کی کہ سارے جہان میں اپنا نام روشن کر دیا۔[3]

شغف

آج کل مسلمانوں کی علمی دنیا میں جو افسردگی چھائی ہوئی ہے اُس کا لحاظ کرکے یہ عنوان نرالا معلوم ہوگا۔ موجودہ حالت دیکھکر مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم میں بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دُھن میں براعظم اور سمندر کاٹ ڈالنا ایک بات سمجھتے تھے جو ایک کتاب کی خاطر صدہا میل پیادہ پا جاتے اور جو صرف نباتات کے حالات تحقیق کرنے ملکوں ملکوں پھرتے۔ اگر اُن کے دلوں میں وہ جوش اور دماغوں میں وہ ولولہ نہ ہوتا تو تو ہمکو ابن بیطار اور سید شریف نصیب نہ ہوتے۔ اور ابو حاتم رازی اور حافظ ابن طاہر کے کارنامے ہمارے قومی نہالوں میں فخر پیدا کرتے۔ علمائے سلف کے حالات دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ اُن بزرگوں کے دل میں شوقِ علم کی ایک بیتابی تھی جو اُن کو کسی شہر یا ملک میں قرار نہیں لینے دیتی تھی اور ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں لیے پھرتی اگر آج ہمارے دلوں میں اُسکا ایک شمہ بھی ہوتا تو ہم علمی فن میں

[1] (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۷) [2] (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰) [3] (عیون جلد ۲ صفحہ ۱۳۴)

ہر قوم و ملت کے مقابلے مین پست نہ ہوتے - اور حق یہ ہے کہ جب ہمارا ارادہ پست ہماری ہمتین قاصر ہو رہی ہین تو ہمارا اسلاف کے کارنامون پہ اترانا اُن بزرگون کے نام روشن کو دھبا لگانا ہے۔ اور اپنے آپ کو حقیر کرنا جس اسکے پیشوا کا یہ مقولہ ہے اُطْلُبُوا العِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْن۔ اُس ملت کے افراد کو سفر کا نام سنکر لرزہ چڑہے ع هٰذا لَعَمْرِي فِي القِيَاسِ بَدِيْعٌ اور جس قوم کے بچے بچے کے کان اس کہیا نہ مقولے سے آشنا ہون کہ ے "تا بکان خانہ در گروی اے ہرگز اے خام آدمی نشوی" وہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے هٰذَا الشَّيْءُ عُجَاب - محدثین کے حالات پڑہنے سے تو ذرا رحلت بجائے خود ایک مقدس لفظ معلوم ہونے لگتا ہے حیف - ایک وہ گروہ تہا کہ جس نے سیاحت کرنے کرتے خود لفظ مین تقدس پیدا کر دیا - اور ایک ہم ہین کہ گہر مین گھُسے گھُسے سارے عالم کے یہ ذہن نشین کر دیا کہ "مسلمان اور سفر" ان دونون لفظون مین کوئی مناسبت ہی نہین ہے ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا -

یہ قصہ دراز ہے اور ہمکو دوسری داستان بیان کرنی ہے اس لئے اس سے قطع نظر کرکے ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہین - سب سے اول ہم اون سیاحتون کا ذکر کرینگے جو علمائے سلف نے احادیث نبویہ کے حاصل کرنے کے واسطے کین کیونکہ مسلمانون کی علمی دنیا مین سفر کا رواج ابتدا اُسی پاک فن کی بدولت ہوا ہے - محدثین کے سفر کا حال بیان کرنے کے بعد ہم اُن علماء کا حال لکہین گے جنہون نے حدیث کے سوا اور علوم کے حاصل اور دقائق علمیہ کے حل کرنے کے واسطے دور دور از ممالک کے سفر اختیار کئے ہے

امام مالک نے حضرت سعید بن المسیّب تابعی سے روایت کی ہے کہ مین ایک حدیث کی خاطر راتون اور دنون پیادہ پا چلا ہون[۱] - امام دارمی نے

۱ تذ ج ۱ صفحہ ۴۸)

طلب حدیث میں حرمین خراسان - عراق - شام - اور مصر کا سفر کیا تھا[1] - صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری نے چودہ برس کی سن میں سیاحت شروع کر دی تھی۔ انکی والدہ اور خواہر سفر میں نگران تھیں - بخارا سے لیکر مصر تک سارے ممالک اوس عالیمقام امام کے سفر کی فہرست میں ہیں[2]۔

امام ابو حاتم رازی نے اپنی سرگذشت خود بیان کی ہے کہ میں نے تین ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت پیادہ پا طے کی تھی - (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے لہذا پیادہ روی نو ہزار میل سے زائد ہوئی) یہ انکی سیاحت کی انتہا نہیں بلکہ شمار کی حد ہے کیونکہ امام ممدوح فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا[3]۔

امام فسوی نے تیس برس سفر میں بسر کردئے[4] - شیخ الاسلام بقی ابن مخلد نے دو سو اسی (۲۸۰) شیوخ سے حدیث روایت کی ہے خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں جس شیخ کے پاس گیا پیادہ پا گیا[5]۔ محدث اندلس (اسپین) ابن حیون نے حدیث اندلس - عراق - حجاز - اور یمن کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ کی[6] - یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے یہ سفر کس راستے سے کیا لیکن نقشے کے معاینے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر یہ سفر دریا کے راستے سے کیا گیا تو پورا بحیرہ روم اور تمام و کمال بحر احمر انھوں نے طے کیا ہوگا - اور اگر خشکی میں کیا ہوگا تو طنجہ سے لیکر سویز تک سارا براعظم افریقہ انھوں نے پے سپر کیا ہوگا اس کے بعد اگر براہ راست یمن آئے تو کل بحر احمر میں سفر کرکے یمن پہنچے ہوں گے اور اگر بیت المقدس وغیرہ کی جانب چلے گئے ہوں گے تو شام و حجاز و عراق میں پھر کر انھوں نے منزل علمی ختم کی ہوگی۔

---

۱ (تذکرہ صفحہ ۱۱۴) ۲ (تذکرہ صفحہ ۱۲۴) ۳ (تذکرہ صفحہ ۱۴۷) ۴ (تذکرہ صفحہ ۱۶۰)
۵ (تذکرہ صفحہ ۲۰۵) ۶ (تذکرہ صفحہ ۴)

مگر چونکہ اُن کے سلسلۂ سفر میں مصر کا ذکر نہیں اس لئے غالباً بحری راستے سے یہ سفر ہوا ہے۔ کیونکہ خشکی کے راستے میں ضرور مصر پڑتا اور یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں کوئی طالب علم مصر جاتا اور وہاں کے مشایخ سے استفادہ نہ کرتا۔ اسپین میں بجایہ بہت ساڑھے تین ہزار میل سے زیادہ ہے۔

ابن المقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخۂ ابن فضالہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا تھا۔ اُس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اُس کے عوض میں دینا گوارا نہ کرے گا۔ (ایک منزل معمولی طور پر بارہ میل کی قرار دی گئی ہے پس اگلے علما آٹھ سو چالیس میل ایک ایک کتاب کی خاطر طے کر ڈالتے تھے) اس کے علاوہ امام موصوف نے چار مرتبہ مشرق (ممالک ایشیا) اور مغرب (ممالک افریقہ و اسپین) کا سفر کیا تھا۔ اور دس دفعہ بیت المقدس گئے تھے[1]

حافظ ابن مفرج نے سعید بن الاعرابی سے حدیث کی سماعت مکہ مکرمہ میں کی۔ ابن رشید دمشق میں۔ قاسم بن اصبغ سے قرطبہ (کارڈووا ملک اسپین) میں ابن سلیمان سے طرابلس میں۔ پھر سے مصر میں اور دیگر مشایخ سے جدہ۔ صفا۔ اور بیت المقدس میں[2] یہ مقامات اگر نقشے میں دیکھے جائے تو تین براعظموں میں بکھرے ہوئے ملیں گے۔ قرطبہ یورپ میں مصر افریقہ میں۔ طرابلس سے مراد اگر طرابلس شام ہے تو ایشیا میں ہے ورنہ افریقہ میں۔ باقی مقدمات ایشیا میں۔ عبرت کا مقام ہے کہ جو مقامات ایک زمانے میں ہمارے پاک مذہبی علوم کے سرچشمہ تھے وہاں آج کوئی مذہب اسلام کا ماننے والا تو بڑی بات ہے جاننے والا بھی نہیں۔ اسپین میں اگر کوئی شخص اب جاکر سیاحت

1 (تذکرۃ صفحہ ۱۸۳) 2 (تذکرۃ صفحہ ۲۱۴)

کرے تو کیا اس کے گمان میں بھی آسکتا ہے کہ دُنیائے اسلام کے نامور عالم اور مشائخ بیسیوں نہیں سیکڑوں ہزاروں اس سرزمین سے اُٹھے تھے ابن عبدالبر حمیدی شیخ اکبر کہاں کے تھے؟ اسی اسپین کے جو آج یورپ میں ملک بھاگے ہوئے غلام کی طرح اپنے قدیم آقا کی صورت سے بھی بیزار ہے۔ اگر ہم عبرت حاصل کریں تو ہماری آنکھیں کھولنے کے واسطے یہ واقعہ کم نہیں کہ مادرزاد نابینا حافظ الحدیث ابو العباس رازی اپنے نبی پاک کے اقوال و افعال کی شیفتگی میں بلخ[1]۔ بخارا۔ نیشاپور۔ اور بغداد کا سفر کرتے پھرتے تھے امام ممدوح باوجودیکہ دُنیا کے دیکھنے سے محروم تھے[1] تاہم انکی بھی سوانح عمری باب سیاحت سے خالی نہیں۔ جیف ہم پر جو خدا کی دی ہوئی ایک چھوڑ دو دو آنکھیں رکھتے ہیں عالم کو دیکھتے ہیں اور پھر بھی آنکھیں بند ہیں۔ حافظ ولید سرقسطی (باشندۂ سراگوسا ملک اسپین) کے حالات میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔ رحل من اقصی الاندلس الی خراسان۔ یعنے انھوں نے انتہائے اندلس سے خراسان تک سفر کیا حافظ ممدوح سراگوسا میں پیدا ہوئے تھے اور سرزمین دینور۔ (واقع ایران) میں آرام کر رہے ہیں۔ امام ابوزکریا کے سفر کا آغاز بخارا سے اور انجام نیروان (واقع افریقہ) پر ہے[3]۔

حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلب حدیث میں کئے اُن میں کبھی انہوں نے کسی سواری کا سہارا نہیں لیا۔ سواری اور باربرداری دونوں کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے۔ سفر پیادہ پا کرتے تھے اور کتابوں کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا

[1] بلخ سے بغداد براہ بخارا ۱۳۶۵ میل ہے ۱۲ [1] تذکرہ صفحہ ۲۳۳) [2] (تذکرہ صفحہ ۲۳۴ و ۲۰۰ و ۲۸۱)
[3] (تذکرہ صفحہ ۳۵۱)

مشقت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب مین خون آنے لگتا۔ اسی جفاکشی سے جو سیاحت حافظ محمد ذہلی نے کی اُس مین حسب ذیل مقامات منجملہ اور مقامون کے تھے بغداد۔ مکہ مکرمہ۔ جزیرہ تنیس[۱] (واقع بحیرۂ روم) دمشق۔ حلب۔ جزیرہ۔ اصفہان نیشاپور۔ ہرات۔ رُحبہ۔ نوقان۔ مدینہ طیبہ۔ نہاوند۔ ہمدان۔ واسط۔ سادہ۔ اسدآباد انبار۔ اسفرائن۔ آمل۔ اہواز۔ بسطام۔ خسروجرد۔ جرجان۔ آمد۔ استرآباد۔ بوسنج بصرہ۔ دِینَوَر[۲]۔ رَی۔ سرخس۔ شیراز قزوین کوفہ[۳]۔

حافظ ابوعبداللہ اصفہانی ایک مرتبہ اپنے مقامات رحلت کی تفصیل بیان کرنے لگے کہ مین حدیث حاصل کرنے گیا ہون طوس۔ ہرات۔ بلخ۔ بخارا۔ سمرقند۔ کرمان۔ نیشاپور۔ جرجان۔ غرض اسطرح وہ نام لیتے گئے یہانتک کہ ایک سو بیس مقامات کے نام لے ڈالے۔[۴] مین خیال کرتا ہون کہ اگر ایک سو بیس مقامون کے نام مسلسل لئے جائین تو سننے والے گھبرا جائین گے آفرین اُس باہمت جوان مرد پر جو اتنے مقامون کا سفر کرتے کرتے نہین گھبرایا۔

واقعہ ذیل اس بات کا پتا دیتا ہے کہ کیسا شوق علم کے واسطے سفر کرنے کا اُن دنون مسلمانون کے دلون مین تھا۔ امام اسمٰعیل نے جب محمد بن ایوب رازی کی خبر وفات سنی تو روئے چیخے۔ کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور سر پر خاک ڈالی اُنکی پریشانی دیکھکر سارے گھر والے جمع ہوگئے اور پوچھا کہ خیر ہے کیا حال ہے۔ اُنھون نے دلگیر ہوکر کہا کہ تم لوگ مجھکو سفر کرنے سے روکتے رہے آخر محمد بن ایوب وفات پاگئے اب مین اُن کو کہان پاؤنگا

---

[۱] بکسر تای مثناۃ وکسرۂ نون مشدد وسکون یائے تحتانی وسین مہملہ ۱۲ [۲] بفتحہ را نے مہملہ و سکون علامے مہملہ ۱۲ [۳] بکسر دال مہملہ و فتح نون ۱۲ [۴] (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۰) [۴] (تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

گھر والون نے اُنکو تسلی دی اور انتظام کرکے ماموں کے ہمراہ شہر نسا کو ایک دوسرے شیخ وقت ابن سفیان کی خدمت مین بھیجدیا۔ اسمٰعیل کا سن اُس وقت سترہ برس کا تھا تاہم اُتنی عمر تک بھی گھر مین بیٹھا رہنا اُنھون نے مصیبت خیال کیا۔[1]

اسی کے قریب قریب امام ابو سعد کا واقعہ ہے کہ جب وہ سولہ برس کی عمر مین سفر کرکے حافظ ابو نصر زینبی سے پڑھنے بغداد گئے تو وہان پہنچکر اُنکی وفات پانے کی خبر سُنی۔ اس جگر خراش خبر نے ایسا صدمہ ابو سعد کے دل کو پہنچایا کہ وہ چیخ کر رو دئے۔ طمانچون سے مُنہ لال کر لیا اور حسرت سے کہا کہ من این لی علی بن الجعد عن شعبۃ[2]

امام عز الدین مقدسی چودہ برس کی عمر مین تحصیل علم کے واسطے بغداد پہنچ گئے تھے[3]

حافظ ابو الخطاب اندلسی نے تحصیل علم کی غرض سے اولاً تمام ملک اسپین مین سفر کیا۔ وہان سے فارغ ہوکر مراکش (مراکو) آئے۔ مراکش اور دیگر ممالک حبش کی سیاحت کے بعد مصر پہنچے اور مصر کے بعد شام۔ عراق عرب۔ عراق عجم۔ اور خراسان کا سفر کیا۔ اور اس طرح بین براعظم اُن کے ملک پیما قدمون کے نیچے سے نکل گئے[4]۔ امام ابو الولید باجی شہر باجہ مین (جو اشبیلیہ کے متصل اسپین مین واقع تھا) پیدا ہوئے تھے۔ علوم عقلیہ پڑھنے کے واسطے سفر کرکے موصل آئے اور وہان ابو جعفر سمنانی سے اِن علوم کو حاصل کیا۔[5]

فن ادب کے مشہور امام کسائی ایک مجلس علما مین اکثر جایا کرتے تھے۔ ایک دن جو وہان پہنچے تو بہت خستہ ہوگئے تھے۔ اپنی خستگی ظاہر کرنے کے لئے اُنھون نے کہا عییت (بالتشدید) یعنی مین تھک گیا۔ اہل مجلس نے ٹوکا کہ تم غلط لفظ استعمال کر رہے ہو اُنھون نے

---

۱ (تذکرہ ج۳ صفحہ ۱۶۱) ۲ (تذکرہ ج۲ صفحہ ۱۰۰) ۳ (تذکرہ ج۴ صفحہ ۱۹۳) ۴ (تذکرہ ج۴ صفحہ ۳۸۱)

۵ (تذکرہ ج۳ صفحہ ۳۷۱)

وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ اگر تمھاری مراد ماندگی ہے تو اعییتُ کہو اور اگر ماندگی
کا اظہار مقصود ہی تو لفظ عییتُ (بالتخفیف) استعمال کرو۔ کسائی کے دل پر اس اعتراض سے
ایک چوٹ لگی اور فوراً مجلس سے باہر نکل آئے اور دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ وہ فن سیکھنا چاہیے
جس سے پھر آیندہ ایسی خفّت کسی محفل میں حاصل نہ ہو۔ یہ عزم کرکے کسائی فن ادب کے
استادِ یگانہ خلیل بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ادب عربی کی تحصیل کرنے لگے
مگر جو رتبہ امامت اُن کو اس فن میں ملنے والا تھا اُس کے حصول کے لئے خلیل کی مجلس کافی
نہ تھی۔ ایکدن ایک بدوی نے اُن پر یہ طعن کیا کہ تم کانِ ادب بنی تمیم اور بنی اسد کو
چھوڑ کر عربیت حاصل کرنے بصرے آئے ہو۔ یہ چبھتا ہوا فقرہ کسائی کے دل میں اثر کر گیا
اور اپنے علاّمہ اُستاد سے کسی موقع پر اُنھوں نے پوچھا کہ آپ نے فن ادب کہاں سیکھا۔ اُستاد نے
جواب دیا کہ حجاز[1]۔ تہامہ۔ اور نجد کے جنگلوں میں۔ اب کیا تھا کسائی کے سر میں ایک تازہ سودا پیدا
ہوا اور فوراً شہر چھوڑ کر صحرا کی راہ لی۔ اور قبیلہ در قبیلہ اتنے پھرے کہ اُس فن کے امام بن گئے جسکی
نہ جاننے سے شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ کیا مبارک تھی کسائی کی غلطی جس نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں
کو صحیح عربی پر قادر کر دیا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگلے مسلمانوں کی علمی حمیت
کیسی حساس تھی جس کو جوش میں لانے کے لئے ادنیٰ تحریک کافی ہوتی تھی شاید بیجا نہ ہوگا
نہ ہوگا اگر ہم اس کی اور دو ایک مثالیں ہدیہ ناظرین کریں۔ ایک دوسرے امام ادب
سیبویہ کا قصہ ہے کہ ابتداءً طالب علمی میں وہ فقہ اور حدیث پڑھا کرتے تھے نحو سے
اس وقت اُنکو چنداں مناسبت نہ تھی۔ اُس زمانے میں وہ حماد بن سلمہ کے مستملی تھے
ایک روز کسی حدیث کی روایت میں حماد نے الفاظ لیس ابا الدرداء املا کئے سیبو

[1] جزیرہ نمائے عرب پانچ حصوں میں منقسم ہے پہلا یمن دوسرا حجاز تیسرا تہامہ چوتھا نجد پانچواں یمامہ ۱۲ (صناجۃ الطرب)

نے اُن کو ادا کرتے وقت لیس ابو الدرداء سامعین کو سُنایا۔ شیخ نے ٹوکا کہ غلط لفظ مت بتاؤ لیس ابا الدرداء کہو۔ اس گرفت سے سیبویہ کو نہایت انفعال ہوا اور اُنھون نے دل مین کہا کہ مین وہ علم کیون نہ سیکھون جو ایسی غلطیون سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ اُنھون نے نحو سیکھنی شروع کی اور اس جہد اور کوشش سے سیکھی کہ سیکڑون برس سے طلبہ اُنکا نام لیکر نحوی ہو رہے ہین۔ اشبیلیہ کے مشہور طبیب قاضی ابوبکر کو آغاز عمر مین شطرنج کی بہت لت تھی مثل ہے کہ کار بکثرت۔ اِس کھیل کی کثرت نے اتنا ماہر کر دیا کہ اُنکا لقب شطرنجی پڑ گیا یہ ذلیل لقب قاضی صاحب کے دل کو صدمہ پہنچاتا تھا۔ آخر اُنکی غیرت نے یہ مشورہ دیا کہ کسی علم مین کمال پیدا کرنا چاہئے تاکہ اُس علم کی نسبت یہ داغ بدنامی مٹا دے۔ غور کرکے اُنھون نے طب کو اپنے واسطے پسند کیا۔ اور اِس فن شریف مین وہ کمال اور نام پیدا کیا کہ آج قریباً سات سو برس کے بعد اُنکا حال آپ میرے منھ سے سُن رہے ہین۔ ظاہر ہے کہ اس نام آوری کے سامنے وہ بدنام کنندہ لقب کیا ٹھہرتا۔ لوگ ابوبکر طبیب کو دیکھکر شطرنجی قاضی صاحب کو بھول گئے[۳]۔ ادیب مشہور ابن جنی موصل مین فن نحو کا درس دیا کرتے تھے ایک روز اسی میدان کے شہسوار ابو علی فارسی وہان وارد ہوئے اور ایک مسئلے مین جو ابن جنی سے پوچھے تو وہ وہم نحو در رہ گئے اُن کو حیران دیکھکر پختہ کار ابو علی نے طنزاً کہا زببت قبل ان تحصرم[۵] اور اتنا کہکر وہان سے چلے آئے۔ اُن کے چلے آنے کے بعد ابن جنی نے لوگون سے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ لوگون نے کہا ابو علی فارسی۔ یہ سُنکر ابن جنی نے مسند تدریس وہین چھوڑی اور ابو علی کی شاگردی کے شوق مین اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب تک یہ اُنکی فرودگاہ پر آئین وہ روانہ ہو چکے تھے

---

۱ الزینۃ صفحہ ۲۸ ۳ عیون جز ۲ صفحہ ۸۶ ۵ حصرم غورہ انگور کو کہتے ہین اور زبیب کہتے ہین انگور خشک کو جو کشمش کے نام سے مشہور ہے۔ پس اس عبارت کے معنے یہ ہوئے کہ تم خام ہونے سے پہلے پختہ ہوگئے ۱۲

آخر اگلی منزل پر جالیا اور تلمذ کی آرزو ظاہر کر کے ساتھ ہو لئے۔ جب تک ابو علی زندہ رہے اُنھوں نے اُن کا دامن عاطفت نہیں چھوڑا۔ اور اس طرح داغ غلامی اپنے دامنِ حال سے چھڑا ڈالا[1]۔ آدم بن ابی طلب امام نضر بن شمیل نے چالیس برس صرف مختلف قبائل کے زبانون کی تحقیقات کے خاطر صحراے عرب مین بسر کر دیئے[2]۔ اندلس کے طبیب ابن رومیہ نے اُن نباتات کے حالات دریافت کرنے کے لئے جو مغرب مین پیدا نہین ہوتین مدتون سیاحت کی اسپین سے مصر آئے اور مصر سے شام و عراق کا سفر کیا۔ اِن ممالک کے تمام نباتات کو خاص اون کی روئیدگی کے مقامات مین جا کر مشاہدہ کیا اور اُنکے افعال و خواص کی تحقیقات[3] کی۔ اسیطرح علم نباتات کے بے نظیر عالم ضیاء الدین ابن بیطار نے خاص نباتات کی تحقیقات کی غرض سے ممالک روم یونان اور اسپین کو چھان ڈالا۔ ان ملکون کی تمام بوٹیون کو اُنکی پیدائش کی جگہہ جا کر دیکھا اور اُنکے احوال تحقیق کر کے قلمبند کئے[4]۔ ابو المنظور نے بہت سے نئے نباتات ایسے دریافت کیے جن کا ذکر متقدمین کی کتابون مین نہ تھا۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ جو مقامات روئیدگی نباتات کے واسطے مشہور تھے مثلاً جبل لُبنان (شام) اُن مین پھرتے تھے اور بوٹیون کو دیکھتے اور جانچتے۔ ایک مصوّر اون کے ہمراہ رہتا جس کے پاس ہر رنگ کی روشنائی مُہیا رہتی۔ ابو المنظور نباتات کا خود مشاہدہ کر لینے کے بعد مصوّر کو دکھلاتے اور وہ اُس کے رنگ۔ شاخ اور برگ و بیخ کا اندازہ کر کے ہو بہو اُسکی تصویر کھینچتا۔ یہ محقق طبیب ایکبار کے مشاہدے پر قانع نہوتا۔ بلکہ نشو و نما کے مختلف مدارج مین نباتات کا معاینہ کرتا۔ ایام نمو و تازگی کی علحدہ تصویر کھچواتا اور زمانہ کمال کی جداہ۔ اور جب وہ بوٹی خشک ہو جاتی تو ایک تیسرا نقشہ لیا جاتا۔ اسی طرح ہر بوٹی کی تصویرین اُس نے اپنی کتاب مین (جو ادویہ مفردہ کے حال مین تھی) درج کی تھین۔ جن کو دیکھکر ناظرین

---

[1] (نزہۃ صفحہ ۴۸) [2] النزہۃ صفحہ ۱۱۱ [3] (عیون ج ۲ صفحہ ۸۱) [4] (عیون ج ۲ صفحہ ۱۳۳)

کتاب اُن نباتات کے مختلف اشکال صحیح اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے تھے۔
کاش اُن دنوں میں چھاپا ہوتا تو آج ایک عمدہ ثبوت رنگلے مسلمانوں کی علمی تحقیقات کا ہم پیش
کر سکتے۔ علامہ سید شریف کو ایام طالب علمی میں یہ شوق ہوا کہ شرح مطالع خود اُس کے مصنف سے
پڑھیں۔ اسی دُھن میں وہ ہرات پہنچے۔ اور علامہ رازی سے ملے۔ اُنکی عمر اُس وقت دسویں منزل
کی انتہا پر پہنچ چکی تھی اور قویٰ اپنی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ کہن سال علامہ نے جوان ہمت
سید کو پڑھانا اپنی طاقت سے باہر سمجھکر اُن سے کہا کہ تم میرے شاگرد مبارک شاہ کے پاس قاہرہ چلے
جاؤ اُنکا پڑھانا میرا پڑھانا ہے اور چلتے وقت ایک سفارشی تحریر لکھ دی۔ میر سید شریف کا شوق اُن کو
خراسان سے مصر لے پہنچا۔ قاہرہ پہنچکر وہ مبارک شاہ سے ملے اور اُستاد کا خط اُن کو دیا سفارش
کے اثر سے یہ حلقۂ درس میں تو داخل کر لیے گئے۔ لیکن نہ اونکا مستقل سبق مقرر ہو سکا اور نہ جماعت
میں قرأت کی اجازت ملی مجبوراً سماعت پر قانع ہونا پڑا ایک شب مبارک شاہ صحن مدرسہ
میں ٹہل رہے تھے کہ ایک جانب سے کسی کی آواز کان میں آنے لگی متوجہ ہو کر سنا تو میر سید شریف
کہہ رہے تھے قال المصنف کذا وقال الاستاذ کذا واقول کذا[۳] خوبی بیان
مبارک شاہ کے دل میں گھر کر گئی۔ اور صبح کو انہوں نے سید جرجانی کو سب طلبہ پر مقدم کر دیا۔
جہاں پیما ابن بطوطہ جب اسکندریہ پہنچا تو شیخ روزگار برہان الدین اعرج کے حضور میں
بھی گیا۔ شیخ نے اثنائے ملاقات میں اُس سے اپنے تین بھائیوں کو سلام پہنچانے کی
فرمائش کی جن میں سے ایک فرید الدین نامے ہند میں تھے دوسرے رکن الدین
سندھ میں اور تیسرے برہان الدین چین میں۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے دوران سیاحت میں

---

۱ (ہیون جز صفحہ ۲۱۹) ۲ (شق جز صفحہ ۱۶۸) ۳ یعنی مصنف کتاب نے
یوں کہا۔ استاد نے یوں کہا۔ اور میں یوں کہتا ہوں۔ ۱۲

ان سب کو مقامات مذکورہ میں پایا اور مشتاق بھائی کا سلام پہنچا دیا۔ اُس زمانے میں سفر جن مصیبتوں سے ہوا کرتا تھا اور سیاحت میں جو صعوبتیں اُٹھانا پڑتی تھیں وہ ذیل کے واقعے سے خیال میں آسکتی ہیں۔

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ سفر میں ایک دفعہ میں جہاز سے اُترا تو خرچ بالکل پاس نہیں رہا تھا دو میرے رفیق اور تھے اُنکا بھی مضمون واحد تھا۔ ہم تینوں نے تین دن فاقے سے پیدل سفر کیا۔ آخر تیسرے دن ایک مقام پر کثرت ضعف سے تھکا کر گرا دیا۔ اُن دونوں رفیقوں میں ایک بیچارہ بڈھا تھا وہ گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔ ذرا دیر کے بعد ہم دونوں نے پھر ہمت باندھ کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ بڈھے کو دیکھا تو بالکل غافل تھا۔ مجبوراً اُس کو وہیں چھوڑا۔ اور ہم آگے بڑھے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ میرے حواس نے جواب دیا اور میں بھی غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ رفیق بڈھے کی طرح مجکو بھی راہ میں چھوڑ کر خود آگے بڑھا۔ حسن اتفاق سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس کو ایک کشتی نظر پڑی جس نے قریب ہی ایک مقام پر اپنے مسافر اُتارے۔ مسافروں کو دیکھ کر اُس نے اظہار مصیبت کے لیے اپنی چادر ہوا میں اُڑائی یہ نشان بیچارگی دیکھ کر مسافر اس طرف متوجہ ہوئے اور اُن میں سے کچھ لوگ اُس کے پاس آئے اور تشنگی سے اُس کو بیدم دیکھ کر پانی پلایا جب پانی پیکر اُس کو تسکین ہوئی۔ تو اُس نے کہا کہ میرے دو رفیق اور اسی مصیبت کے مارے پیچھے چھوٹ گئے ہیں اُن کی خبر گیری ضرور ہے۔ مہربان مسافر یہ سنکر ہماری طرف آئے۔ میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک آدمی منہ پر پانی کے چھینٹے دے رہا تھا جب مجکو ہوش آگیا تو پانی پلایا۔ اُس کے بعد ہم سب ملکر بیکس بڈھے کے پاس گئے۔ اور اُس کی بھی خدمت کی۔ آخر ہم نے ایک مقام

ل (رعاتہ ہا صفحہ ۱۱۸) ۲ (تذ ج ۲ ص ۱۴۷)

پیغمبر ذرہ بھر کبر آ رہا کیا۔ تب جان میں جان آئی۔ حیف! ہمارے اسلاف ایسے اور ہم انکی خلاف ایسے۔ کہ ہمارے مقابلے میں دنیا کی ساری قومیں علم وحکمت کی زیادہ قدر شناسی کی مدعی ہیں۔ اگر پچھلی ہمت کا ادنا اثر بھی ہم میں ہوتا تو آج امتحان مقابلہ ہمارے واسطے ایک تہذیب مسئلہ قرار پاتا۔ اور ہر صیغے اور شعبے میں ہم رعایت کی ذلیل صدا بلند نہ کرتے جس طرف کان لگاؤ مسلمان طلبا و اسلامیہ مدارس میں افلاس افلاس کی صدا بلند ہے۔ انصاف یہ ہے کہ طاعت سے۔ لا کھ افلاس سہی لیکن خشک روٹی کے ٹکڑے اور چٹنی ہی کھانے کا اتفاق تو نہیں ہوتا۔ پیچ یہ ہے کہ شوق اور ہمت نہیں ورنہ یہی کڑوی گھونٹ شربت کی طرح گوارا ہو جائے اور ساری محنت منزلیں آسان ہو جاتیں۔

کتابوں کا لکھنا چھاپے نے اس زمانے میں کتابوں کا وجود اتنا آسان کر دیا ہے کہ اب اُس وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جو پچھلے زمانے میں کتابوں کے بہم پہونچانے میں پیش آتی تھی۔ آجکل عمدہ سی عمدہ کتاب دام خرچ کرنے سے بلا دشواری مل سکتی ہے لیکن جب یہ بات کہاں تھی۔ جو بھاری کام اب سیسہ اور پتھر نے اٹھا لیا ہے اُس وقت کے طلبہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ یعنی وہ اپنے واسطے کتابیں خود لکھتے تھے گویا اپنے چلنے کے واسطے اُن کو سڑکیں بھی خود بنانا پڑتی تھی۔ شقائق نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ابتداءً جب علامہ تفتازانی کی تصانیف روم میں پونچیں اور درس میں مقبول ہوئیں تو اُن کے نسخے دام خرچ کرنے پر بھی نہیں ملتے تھے مجبوراً علامہ شمس الدین کو علاوہ جمعے اور سہ شنبے کی معمولی تعطیلوں کے دو شنبہ کی تعطیل مدارس میں اور مقرر کرنا پڑی۔ پس ہفتے میں تین دن طلبہ کتابیں لکھتے تھے اور چار دن پڑھتے تھے[۲]۔ کثرت مشق اور رات دن کے لکھنے نے اگلے لوگوں کو تحریر پر ایسا قادر کر دیا تھا کہ اب اُن کی حکایتیں

ا (تمدن ج ۲ ص ۱۴۷) ۲ شقائق ج ۱ ص ۳۰)

مشکل سے باور ہوتی ہین -

حافظ ابن فرات بغدادی نے جب وفات پائی تو کتابون کے اٹھارہ صندوق چھوڑے جن کتابون سے اٹھارہ صندوق بھر گئے تھے اُن مین سے اکثر خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھین جو بلی تحریر کی سند اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے کہ محدثین کے نزدیک اُنکی لکھی ہوئی کتابین بسبب نقل اور جودت ضبط مین حجت اور سند خیال کی جاتی تھین[1] - سبط ابن جوزی فرماتے ہین کہ مین نے اپنے دادا (شیخ ابن جوزی)[6] کو ایکبار سر منبر یہ کہتے سُنا کہ مین نے اپنی ان اُنگلیون سے دوہزار جلدین لکھی ہین جس شیخ و فقیہ نے ڈہائی سو کتابین تصنیف کرڈالین ہون اُس کا دوہزار جلدین لکھ لینا ناممکن نہین -

جن قلمون سے اُنھون نے حدیث شریف کی کتابین لکھی تھین اونکا تراشہ جمع کرتے گئے تھے جب وہ وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ میرے غسل کا پانی اوسی تراشے سے گرم کیا جائے چنانچہ جس پانی سے اُن کو غسل دیا گیا اُس کے نیچے وہی پاک ایندھن ملا یا گیا تھا[3] -

حضرت یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ مین نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثین لکھی ہین[4] - امام ابواُسامہ کوفی نے ایک سو دس برس کی عمر مین وفات پائی تاہم سلسلہ تحریر آخر عمر تک قائم رہا اُن کے بیٹے نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے جب اشعار عرب مدوّن کیے تو کچھ اوپر اسّی قبائل کا کلام تھا جب وہ ایک قبیلے کا کلام شایع کرچکتے تو اس کے شکرانے مین ایک نسخہ کلام اللہ کا لکھکر مسجد مین پونہچا دیتے - اس طرح اسّی سے زیادہ نسخے کلام پاک کے اونھون نے لکھکر وقف کردیئے[5] - بعد وفات امام ابوجعفر طبری کے تصانیف کا حساب

۱ (تذ ج ۱ ص ۲۲۰) ۲ (تذ ج ۲ ص ۱۳۸) ۳ (تذ ج ۳ ص ۲۸۹) ۴ (تذ ج ۱ ص ۲۱۸) ۵ (ابن ج ۱ ص ۷۵) ۶ یعنی شیخ ابن جوزی ۱۲

لگایا گیا تو ابتدائی شباب سے یوم رحلت تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط پڑا۔ اور
عام تحریر کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ورق یومیہ ہوئے[1]۔ حکیم مظفر مصری کے حال میں علامہ
ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں عجب تر یہ بات ہے کہ اُن کے خانے میں ہزاروں کتابیں ہر
فن کی تھیں تاکہ کوئی کتاب کسی فن کی اُن کے یہاں کی ایسی نہیں تھی جس پر خود اُن کے قلم کی
کچھ نفیس و نادر باتیں اُن کتاب کے مناسب لکھی ہوئی نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی آنکھوں سے بکثرت طب
اور دیگر فنون کی کتابیں حکیم مذکور کے کتب خانے کی دیکھی ہیں جن پر اُن کا نام اور فوائد متفرقہ
متعلق کتاب درج تھے[2] قوت تحریر پر واقعہ ذیل بھی عمدہ شاہد ہے۔

مفتی قسطنطنیہ ابوسعود رومی نے بارہا ایک ایک دن میں ہزار ہزار رقعوں کا جواب
لکھ ڈالا جن میں سے ایک بھی خوبی اسلوبی اور حسن معنی کے لحاظ سے گرا ہوا نہیں ہوتا تھا[3]

توجہ کامل اور شوق طلب

اس عنوان کے ضمن میں جو واقعات آگے مذکور ہوئے ہیں۔ اُن
میں آپ علما کو زندگانی کی مختلف سختیوں میں پائیں گے۔ کسی کو
آپ سرد ملک میں شب کو مسجد کے دروازے پر کھڑا دیکھیں گے۔ کوئی بزرگ شہرت گریزی کے باعث
پانی کے ایک بڑے ظرف میں بیٹھے ملیں گے۔ کوئی عالم آپ کو لمبے سے پرواز نظر آئینگے۔ کوئی
اپنے جانی دشمن حاکم وقت کے خوف سے صحرا میں روپوش ملیں گے۔ کسی کے دل میں "الشوق
نار تحرق ماسوی المطلوب" کا جلوہ دکھائی دے گا۔ غرض مختلف گرم و سرد حالات جو ایک
انسان پر گذر سکتے ہیں۔ اُن پر آپ گذرتے دیکھیں گے۔ لیکن ہر حال میں آپ اُن کے
دل کو اطمینان سے اپنے مطلوب یعنی علم کی طلب میں مشغول پائیں گے۔ اور واقعات
ثابت کریں گے کہ یہ حوصلہ فرسا حوادث اُن کے دلوں میں علم کی جانب سے تنفر پیدا کر نہیں

۱ (تذکرہ ج۳ ص ۲۷۹) ۲ (عیون ج۲ ص ۱۰۸) ۳ (العقد ص ۲۸۵)

قاصر تھے۔ بعض صورتوں مین آپ دیکھین گے کہ وہ بظاہر ایک کام مین مصروف ہین مگر قلب اُن کا علم کی جانب ہے کوئی حکیم سو سو مرتبہ ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ کسی فقیہ کے زیر مطالعہ ایک ایک کتاب پچاس پچاس برس رہی ہی ان تمام واقعات سے آپ کو اون کی توجہ کامل اور ماسوا سے بے نیازی کا پورا پتا ملے گا۔ اور اس مین کوئی شک نہین کہ حصول کمال کی جانب جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور سے مائل نکرے کمال حاصل ہو نہین سکتا۔ اس زمانے کے مسلمان بھی مدارس کے حجرون مین اپنی عمرین صرف کر دیتے ہین پڑھتے پڑھتے بڈھے ہو جاتے ہین مگر کمال تو بڑی چیز ہی اُس کا کوئی شمہ بھی اُن مین نظر نہین آتا۔ کوئی اس کے اسباب کچھ ہی بتائے مگر مین یہ کہتا ہون کہ صرف توجہ اور ہمت کا تفاوت ہے۔ اگر ہم وہی توجہ پیدا کر لین تو وہ کمالات پھر پیدا ہو سکتے ہین۔ آیۂ پاک لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى صاف صاف بتا رہی ہی کہ ہر شخص اپنی اپنی کوشش کا پھل پاتا ہی جو کتابین علما کے حالات مین طبقات کے طور پر لکھی گئی ہین اُن پر نظر غائر ڈالی جائے تو عیاں ہوتا ہی کہ جتنا طبقہ بہ طبقہ جہد طلب مین تفاوت آتا گیا اُسی قدر درجہ بدرجہ کمالات علمیہ مین تنزل ہوتا گیا۔ سلک الدرر (جو بارھوین صدی کے علما کے حالات مین ایک ضخیم کتاب ہی) ایک بھی عالم پانچوین یا چھٹی صدی کے علما کے مثل نظر نہین پڑتا اس کے ساتھ بھی بارھوین صدی کے عالم کی جہد طلب پانچوین یا چھٹی صدی کے علما کی جانفشانی کے مشابہ نہین۔ اگر ہم سلک الدرر کے کسی عالم کے حالات اُن حالات کے مثل پائین جو ابن خلکان یا تتمۃ الالباب کے علما کے ہین اور پھر دیکھین کہ ویسے کمال کو اول الذکر نے نہین پایا تو بیشک ہمکو توجہ اور شوق کے سوا کسی اور سبب کے تلاش کی ضرورت پیش آئے گی۔ لیکن جب ہم ہمیشہ ان کا تفاوت پاتے ہین تو پھر الزام کے لئے اور اسباب کا پیدا کرنا روش حق سے بعید ہے۔

خیالات کو واقعات ذیل سے ملایئے اور اسطرح اُس کی صحت یا غلطی خود دیکھ لیجئے

ہوجائے گی۔ کمال توجہ کا اظہار فارسی کی اس مثل میں کیا گیا ہے۔ دل بیار و دست بکار۔ امام دار قطنی ایک مرتبہ ابتدائے سن میں اسمعیل صفار کی مجلس املا میں حاضر تھے۔ شیخ تو املا میں مصروف تھے اور یہ ایک کتاب کی نقل کرتے جاتے تھے ایک شخص اُنکی بے توجہی دیکھکر جھنجلایا اور کہا کہ تم نقل کتاب میں مصروف ہو پھر تمہارا سماع کسطرح قابل وثوق ہوسکتا ہے۔ دارقطنی نے یہ اعتراض سُنکر کہا کہ سماع سماع میں فرق ہوتا ہے تم تو ہمہ تن متوجہ ہو کر سُن رہے ہو بتلاؤ تو شیخ نے ابتک کتنی حدیثیں روایت کی ہیں۔ معترض کو مجموعی تعداد کا خیال نہ تھا لہذا اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ دارقطنی نے کہا اٹھارہ حدیثیں اس وقت تک املا ہوئی ہیں۔ پہلی کا یہ متن ہے کہ یہ اسناد۔ دوسری کا یہ متن ہے یہ اسناد غرض اسی طرح وہ ساری حدیثیں سُنادیں۔ حاضرین اُن کا ضبط دیکھکر دنگ رہ گئے۔[1]

ایک مرتبہ دو شیخ خراسان سے مکہ معظمہ میں آئے اور حرم محترم کے دو جانب بیٹھکر اُنھوں نے ایک ہی وقت میں روایت حدیث کی۔ دونوں کے سامعین اور مستملی[2] جدا جدا تھے حافظ کبیر اثرم دونوں کے بیچ میں بیٹھ گئے اور دونوں کا بیان برابر لکھتے رہے۔

بیشک یہ توجہ کی یکسوئی کا ایک کرشمہ تھا جس نے ایک سامع کو دو سامعوں کی قوت دیدی۔ بہت سے حاضرین مجلس ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ سُننے کے بعد بھی اُن کو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا سُنا اور کم

---

۱ (تذکرہ ج۳ ص ۲۰۰) ۲ اگلے زمانے میں طریقہ تعلیم یہ تھا کہ اُستاد کسی اونچے مقام پر بیٹھکر کسی موضوع کی نسبت زبانی تقریر کرتا تھا اور شاگرد اوس کو سُنتے اور ضبط کرتے تھے اس طریقے کا نام املا تھا۔ بوقت ضرورت ایک یا زائد اشخاص اس غرض سے کھڑے ہو جاتے تھے کہ اُستاد کے الفاظ بعینہ شاگردوں تک پونہچاتے جائیں ان لوگوں کو مُستملی کہتے تھے۔ یہ طریقہ یورپ کے لیکچر کے طریقے سے مشابہ تھا ۱۲

تو بھی اُن کو نزدیکان بے بصر کا خطاب دلاتی ہے[1] علی بن الحسن راوی ہین کہ ایک شب
مین نماز پڑھکر مسجد سے باہر آنے کو حضرت عبد اللہ بن المبارک کے ساتھہ ساتھہ اُٹھا اُس
رات کو سردی کی بہت شدت تھی دروازے پر پہونچکر ابن المبارک نے ایک حدیث کا ذکر
چھیڑا جب وہ فرما چکے تو مین نے اُس کی نسبت کچھہ کہا میرے بعد پھر اُنھون نے کچھہ بیان کیا
غرض اسی طرح سلسلہ کلام جاری تھا کہ مؤذن نے فجر کی اذان دیدی - اور ہم دونون مسجد کو
آئے[2] حافظ حدیث حمیدی میورقی جزیرہ میورقہ[5] مین پیدا ہوئے شام و عراق مین علم حاصل
کیا اور بغداد مین آکر رہے گرمیون مین جب شب کو لکھنے بیٹھتے اور گرمی ایذا پونہچاتی
تو ایک بڑے سے ظرف مین پانی بھرکر اُس مین بیٹھتے اور لکھتے -

ابو عمرو بن العلا (امام ادب) ایک زمانے مین سفاک حجّاج ابن یوسف کے خوف
صحراے عرب مین بھاگے پھرتے تھے - ادھر تو جان کے لالے پڑ رہے تھے اُدھر اُس علامۂ
ادب کو یہ تلاش تھی کہ آیا لفظ فرجہ (بمعنی کشایش) بالضم ہی یا بالفتح ایک روز اثناے راہ
بیابان مین ایک قائل کو اُنھون نے یہ شعر پڑھتے سُنا ؎ ربّما تجزع النفوس
من الامر لہُ فرجۃٌ کحلّ العقال فرجہ کو اُس نے زبر سے ادا کیا - یہ شعر پڑھکر
بدوی ابو العلا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ سُنتے ہو ظالم حجّاج مرگیا - ابو العلا کہتے ہین
کہ مجکو اُس وقت یہ تمیز نہ ہوسکا کہ آیا مین کس بات سے زیادہ خوش ہوا - لفظ فرجہ کی
صحت ہوجانے سے یا اپنے عدوی جانی کی خبر وفات پانے سے اس حکایت سے معلوم ہوتا
ہے کہ اُس شیفتۂ علم کے نزدیک ایک ایک علمی مسئلہ جان کے برابر عزیز تھا اُسی کی بدولت
ابو العلا کو یہ بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ امام فن قرار پائے - جو لوگ اپنی جسمی آسایشون کو ...

[1] تذ ج۲ ص ۱۴۹) [2] (تذ ج۴ ص ۲۵۲) [3] (تذ ج۲ ص ۱۸) [5] مجار کا واقعہ بحیرۂ روم ۱۲

پر قربان نہ کریں وہ کیا شان حاصل کر سکتے ہیں۔ اب مدرسین بہت اور مدارس بہت لیکن اور ہمت نایاب۔ اس لئے ہماری علمی محفلوں میں ہر طرف سناٹا سا ہے[1]۔

ابو عبید بن سلام نے ایکبار اپنے تلامذہ سے کہا کہ میں نے چالیس برس اپنی کتاب غریب الحدیث کی تصنیف میں صرف کئے ہیں۔ اکثر فوائد مجھکو لوگوں سے بالمشافہ باتوں میں ہاتھ لگ جاتے تھے اور میں ان کو موقع موقع سے اس کتاب میں درج کرتا جاتا تھا ان فائدوں کے حاصل ہونے سے اتنی خوشی مجھکو حاصل ہوتی کہ میں ساری ساری رات فرط محبت سے جاگتا رہتا۔ تم چار پانچ مہینے بھی میرے پاس آ کر رہتے ہو تو کہتے ہو کہ ہم بہت رہے[2]۔

حضرت امام زہری کا مطالعے کے وقت یہ عالم ہوتا کہ ادھر ادھر کتابیں ہوتیں اور انکے مطالعے میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔ بی بی کو کب گوارا تھا کہ انکے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش ان کے شوہر کے دل میں ہوتی ایک روز بگڑ کر کہا واللہ لھذہ الکتب اشد علی من ثلث ضرائر یعنی قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں[3]۔ امام شافعی کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی نے اپنے استاد کی کتاب الرسالہ کا پچاس برس مطالعہ کیا اور وہ خود ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھکو نئے نئے فوائد حاصل ہوتے گئے[4]۔

ارسطو کی کتاب النفس کا ایک نسخہ کسی کے ہاتھ لگا جس کا حکیم ابو نصر فارابی نے اسکو مطالعہ کیا تھا۔ اور اس پر حکیم موصوف کے ہاتھ کی یہ عبارت تحریر تھی۔ انی قرأت ھذا الکتاب مائة مرة یعنی میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے[5]۔

شیخ الرئیس کے مطالعے کی بھی ایک حکایت قریب قریب اسکے ہے جس کو شیخ نے خود بیان

---

۱ (مقدمہ ص ۳۰۲) ۲ (ابن خلکان ص ۴۱۹) ۳ (ابن خلکان ص ۴۵۱) ۴ (ابن خلکان ص ۴۱۱) ۵ (ابن خلکان ج ۲)

بیان کیا ہے ابن سینا کا بیان ہی کہ ایام طالب علمی مین جب مین نے کتاب مابعد الطبیعہ کا مطالعہ شروع کیا تو مطلقاً وہ میری سمجھہ مین نہین آئی اور نہ اوس کے واضع کی کوئی غرض مفہوم ہوئی۔ انتہا یہ ہی کہ چالیس مرتبہ مین نے اُسکا مطالعہ کیا۔ عبارت تو برزبان ہوگئی۔ لیکن مدعا نے اپنی جانب سے بالکل مایوس کردیا۔ اتفاقاً اُسی عرصی مین ایک روز عصر کے وقت مین کتاب فروشون مین جا نکلا۔ وہان ایک شخص کتاب بیچتا ہوا آیا اور مجھسے کہا کہ یہ کتاب فن مابعد الطبیعہ مین ہے آپ لے لیجئے۔ چونکہ اس فن کو اپنے ذہن مین سمجھ ٹھہرا چکا تھا اس لئے مین نے خریداری سے انکار کردیا۔ اُس نے منت کی اور کہا کہ کتاب سستی ہی صرف تین درہم اس کی قیمت ہی۔ اور اسکا مالک ضرورت مند ہی۔ نا چار اُسکے اصرار سے مجبور ہوکر کتاب لے لی۔ خریدنے کے بعد کھول کر جو دیکھا تو ابو نصر فارابی کی تصنیف نکلی جس مین مصنف نے اغراض کتاب مابعد الطبیعہ سے بحث کی تھی مین خوش ہوکر مکان پر آیا اور اُس کا مطالعہ شروع کیا۔ اصل کتاب چونکہ پہلے سے حفظ تھی الحمد للہ نو خرید کتاب کو پڑھتے ہی سب مشکلین آسان ہوگئین[۱]۔

ابو العباس ثعلب نے بغداد مین اسحٰق موصلی کے کتاب خانے مین ایک ہزار جز فن لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسحٰق کی سماع مین آچکے تھے[۲]۔

مولانا جمال الدین رومی نے ایک رات طلبہ کے حجرون مین مخفی طور پر گشت کیا۔ ایک طالب علم کو دیکھا کہ تکیے سے لگا ہوا مطالعۂ کتاب مین مصروف ہی۔ دوسرے کو دیکھا دو زانو مستعد بیٹھا ہی کتاب زیر مطالعہ ہی اور موقع موقع سے کچھ لکھتا بھی جاتا ہی۔ یہ دیکھکر تجربہ کار اُستاد نے اول کی نسبت کہا اِنّہٗ لا یبلغ درجۃ الفضل دوسرے کی نسبت فرمایا سیحصل الفضل و یکون لہٗ شان فی العلم۔ آیندہ زمانے نے ظاہر کردیا کہ یہ پیشین گوئی بالکل سچی تھی[۳]۔ یہ امر قابل لحاظ ہی کہ امام زہری جُون

۱؎ (عیون ج۲ ص۴) ۲؎ (ابن ج ص۹۲) ۳؎ (شق ج ص ۳۵)

یا امام مزنی۔ حکیم فارابی ہون یا شیخ الرئیس ان کے علمی کمالات کی اصل بنیاد یہی مطالعہ کی کثرت تھی کہ ایک ایک کتاب کو سوسو بار پڑہتے تھے۔ اور پچاس پچاس برس دیکھتے اب مطالعہ معدوم لہذا علمیت معلوم۔ بیدرد ہین وہ لوگ جو ان بزرگون کی جانکاہیون کو نظرانداز کرکے اُنکے علمی کمالات کو محض اُس زمانے کے آثار کا ثمرہ بنا کر اپنے زُعم باطل مین اپنے لئے ایک عذر تراشتے ہین اگر ابونصر یا شیخ الرئیس کی سی جانفشانی آجکل کے مسلمان کرین تو ضرور اُنکے برابر ہوسکتے ہین علم و حکمت کچھ نبوت نہ تھی جو کسی ذات پر ختم ہوگئی اور ہم یہ ایمان لاویں کہ جب ہوگیا کہ فارابی اور شیخ کمالات علمیہ کو ختم کر گئے ؎ فیض روح القدس ار باز مدد فرماید * دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد * آمدم برسر مطلب۔

ابوالبرکات طبیب مشہور ابتدا مین موسوی ملت کے پیرو تھے۔ اُس عہد کے اُستاد طب ابوالحسن کی یہ آن تھی کہ وہ منکرین حضرت مسیح کو طب نہین پڑہاتے تھے۔ ابوالبرکات اُنسے پڑہنے گئے لیکن ناکام واپس آئے۔ اُس طرف سے جب مایوس ہوئے تو شوق نے ایک اور راہ تبلائی یعنی انھون نے دربان کو ملایا اور اُس سے درس کے وقت دروازے مین بیٹھے رہنے کی اجازت لے لی ؎

نخواہم داد دربان ترا بہر درون زحمت * بدست اینکہ گاہے بنیم آن دلبر بیرون را۔

ایک سال کامل یہ دروازے مین بیٹھکر اُستاد کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ایک روز کسی مسئلے مین ابوالحسن کے درس مین الجھاؤ پڑ گیا اور کسی طرح وہ گتھی نہ سلجھی۔ آخر بیچین ہوکر ابوالبرکات جسارت کرکے آگے بڑہے اور کہا کہ اجازت ہو تو اس مسئلے مین کچھ مین بھی عرض کرون۔ اُستاد نے اجازت دی تو انھون نے اُس کو جالینوس کے قول سے حل کردیا اور کہا کہ فلان روز یہ قول آپ ہی نے بیان فرمایا تھا۔ ابوالحسن نے حیرت سے پوچھا کہ تم نے میرا قول کہان سُنا۔ انھون نے صورت حال گذارش کی حکیم موصوف کے دل پر اُنکے شوق کا گہرا اثر پڑا اور اعتراف کیا کہ ایسے شخص کو علم سے محروم رکھنا

دار نہیں۔ چنانچہ اُسی روز ابو البرکات کو شامل درس ہونے کی اجازت ہو گئی۔

خطیب تبریزی شارح حماسہ کے ہاتھ ایک کتاب لغت ابو المنصور کی تصنیف لگی جو کئی چھوٹی چھوٹی جلدوں میں تھی۔ اُسکے مطالب حل کرنے کو وہ اپنے شہر کے ایک عالم لغت کے پاس گئے۔ عالم موصوف نے اُن کو یہ مشورہ دیا کہ ابو العلا معری کے پاس چلے جاؤ خطیب نے اون اجزا کو ایک تھیلے میں بھر کر پشت پر ڈالا اور پیادہ پا تبریز سے معرّہ (واقع ملک شام قریب حماۃ) کو چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں اس کتاب کی جلدیں پسینے سے ایسی نمناک ہو گئی تھیں کہ بغداد میں لوگوں نے ان کو دیکھا تو گمان کیا کہ پانی میں بھیگ گئی ہیں غرض اسی حال میں خطیب معرّہ پہنچے اور ابو العلا کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کے مشکلات کو حل کیا[2]۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنے عم مکرم رشید الدین طبیب کی طالب علمی کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اُس کو زمانۂ ماضی کے طرز طالب علمی اور طریقہ کسب علوم ظاہر کرنے کے لئے یہاں نقل کرتے ہیں۔ رشید الدین نے اوّلاً کلام اللہ تمام ضروری مراتب کے لحاظ کے ساتھ حفظ کیا حفظ کلام پاک سے فارغ ہو کر فن حساب کی تحصیل کی۔ حساب کے بعد فن طب پڑھنا شروع کیا۔ مصر کے رئیس الاطبا اُن کے والد کے دوست تھے اس لئے رشید الدین کو اُنھوں نے خود طب شروع کرائی اور جالینوس کے سولہ[1] رسالے پڑھائے۔ جن میں سے چہار ان ابتدائی لقدار یہ لفظ حفظ کئے گئے۔

ان رسالوں کو رئیس الاطبا سے پڑھ کر اور اساتذہ فن سے سبق لینے لگے۔ نری کتابی خوانی پر قناعت نہ تھی بلکہ سبق سے فارغ ہو کر بیمارستان (شفاخانہ) جاتے اور وہاں کے مریضوں کو دیکھ کر معالج اطبا نے جو اُن کا مرض تشخیص اور علاج تجویز کیا ہوتا اس کو سنتے اسی ضمن میں فن کحالی (آنکھ بنانا) سیکھا اور اس کا عمل نفیس الدین سے (جو بیمارستان

---

[1] (عیون ج ۱ ص ۲۷۹) [2] (ابن خ ج ۱ ص ۳۳)

مین اس صیغے کے افسر اعلیٰ تھے) حاصل کیا اور سرجری (جراحی) کی مشق بھی شفاخانہ مذکورہ مین کی فن طب کے ان مشاغل کے ساتھ دیگر علوم سے بھی وہ بے خبر نہ تھے۔ ادب عربی اور فلسفہ عبد اللطیف بغدادی سے اور منطق کا ایک سبق علوم حکمیہ کے استاد سدید الدین منطقی سے پڑھتے تھے۔ ابو محمد جعفری سے فن نجوم۔ اور ابن الدبجور سے فن موسیقی حاصل کرتے بیس (۲۰) برس کی عمر مین شام پہونچکر انھون نے مطب شروع کر دیا۔ باانہمہ طب رضی الدین سے پڑھتے رہے اور وہان کے مشہور اُدباے ادب۔ اتفاقاً اُن کے اُستاد عبد اللطیف بغدادی بھی شام پہونچ گئے۔ تو اُنہنے فلسفے کا مشغلہ پھر جاری کر دیا۔ اِس جانفشانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہنوز اُن کا سن پچیس (۲۵) برس کا نہ ہوا تھا کہ طب مین اُن کو نمود حاصل ہو چکی اور مذکورہ بالا علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ علاوہ اِن علوم کے رشید الدین زبان ترکی و فارسی مین بھی ماہر تھے بلکہ فارسی مین شعر بھی کہتے تھے۔ حکایت بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگلے اطبا اِس فن شریف کے تمام شعبے حاصل کرتے تھے۔ اور آج کل کے اطبا کی طرح اُن کا علاج دوسرون کے بھروسے پر نہین چلتا تھا[۱]۔ امام طبرانی کی وسعتِ معلومات دیکھکر ایک شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کا علمی خزانہ اس قدر مالامال کیونکر ہوا۔ تو امام ممدوح نے فرمایا کہ جانِ عزیز تیس (۳۰) برس میری کمر نے بوریے کے سوا اور کسی بستر کا لطف نہین اُٹھایا[۲]۔

امام ادب ثعلب ناقل ہین کہ پچاس برس سے ہم ابراہیم حربی کو اپنی ہر مجلس لغت و ادب مین موجود پاتا ہون[۳]۔ امام رازی کو تاسف ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیون علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ واللہ انی اتاسف فی الفوت عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز یعنی خدا کی قسم

[۱] (عیون ج۲ ص ۲۴۸) [۲] (تذ ج۳ ص ۱۱۸) [۳] (تذ ج۲ ص ۱۶۲)

مجھکو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس آتا ہے کیونکہ فرصتِ وقت بہت عزیز چیز ہے ؎ در بزمِ وصال تو بہنگام تماشا ٭ نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد۔ امام رازی اگر اوقات کو عزیز نہ سمجھتے تو نہ اُن پر علوم کے راز کھلتے اور نہ اُن کو کوئی امام کہتا[۱]۔ محویتِ شوق کا یہ لطیفہ بھی قابل سننے کے ہے۔ کہ ادیبِ مشہور ابو محمد اعرابی اپنے چہرے پر روغن ملکر آفتاب کے سامنے بیٹھا کرتے تھے تاکہ اُن کا رنگ بدویوں کی طرح کالا ہو جائے۔ اور اعرابی کا لقب ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں سے اُن پر صادق ہو چنانچہ میدانِ طلب میں اُن کو یہ سرخروئی حاصل ہوئی کہ اُن کو اسود کا خطاب مل گیا۔ اور آج تک اسی لقب سے وہ تاریخ میں مشہور ہیں۔ فدائیانِ شوق کا بھی ایک رنگ ہے[۲]۔ مولانا خسرو سلطان محمد خان فاتح قسطنطنیہ کے وقت میں نہایت باوقار تھے اور عہدۂ قضا پر ممتاز۔ اگرچہ بہت سے خدام اُن کی خدمت میں تھے تاہم مطالعے کے کمرے میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور خود چراغ روشن کرتے اور آتشدانے میں آگ سلگاتے تے[۳]۔ اسحٰق بن سلیمان طبیب سو برس کے ہو کر فوت ہوئے اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ مدۃ العمر انھوں نے شادی کی۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ آپکے دل میں اولاد کی تمنا ہے۔ تو اُس دانا حکیم نے جواب دیا کہ اپنی کتاب حمیات کے ہوتے ہوئے اولاد نہ ہونے کا کبھی خیال بھی مجکو نہیں آتا۔

حضرت یحییٰ ناقلِ مؤطا مدینہ منورہ میں ایک روز امام مالک صاحب کے درس میں حاضر تھے کہ غوغا اٹھا کہ ہاتھی آیا۔ عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی سارے طلبہ درس چھوڑکر بھاگ اٹھے مگر یحییٰ اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک صاحب نے

۱ (عیون ج ۲ ص ۳۴) ۲ (نزہتہ ص ۲۴۲) ۳ (شقائق ج ۱ ص ۱۲۲) ۴ (عیون ج ۲ ص ۳۰)

درس مین حاضر تھے کہ غوغا اُٹھا کہ ہاتھی آیا۔ عرب مین ہاتھی عجوبہ چیز ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی سارے طلبہ درس چھوڑ کر بھاگ اُٹھے مگر یحییٰ اُسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک صاحب نے فرمایا کہ یحییٰ! تمھارے ملک اندلس مین ہاتھی نہین ہوتا تم بھی جا کر دیکھ آؤ۔ اُنکے دل مین اور ہی خیال بس رہا تھا۔ جواب دیا کہ حضرت! اندلس سے مین آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہون ہاتھی دیکھنے کے واسطے یہان نہین ہوا ہون[1] ؎ بست دیدۂ مجنون ز خویش و بیگانہ ٭ چہ آشنا نگہی بود چشم لیلےٰ را + ابوبکر بن بشار ادب کے مشہور امام بغداد مین شاہزادون کے اتالیق تھے۔ ایک روز قصرِ خلافت کو جاتے ہوئے نخّاس سے گذرے۔ وہان اُن دنون ایک جاریہ آئی ہوئی تھی جس کے حسن اور سلیقے کا سارے بغداد مین شہرہ تھا۔ ابن بشار اُس کو دیکھکر مفتون ہوگئے۔ جب دار الخلافۃ مین پونہچے۔ تو خلیفہ نے پوچھا کہ آج دیر مین کیون آئے۔ انھون نے جاریہ کا ماجرا عرض کیا۔ یہ سُنکر خلیفہ نے درپردہ خدام کو حکم دیا کہ وہ جاریہ خرید کر ابن بشار کے مکان پر اُن کے پہونچنے سے پہلے پونہچا دی جائے۔ جب علامۂ ممدوح مکان کو واپس آئے تو جاریہ کو بیٹھا پایا۔ دریافت کیا تو حال معلوم ہوا اُس کو انھون نے بالا خانے پر بھیجدیا اور خود وہین بیٹھکر ایک علمی مسائے پر (جسکی تحقیقات مین وہ اُن روزون مصروف تھے) غور کرنے لگے طبیعت تو اور ہی طرف لگ رہی تھی۔ غور کرنے مین اُلجھنے لگے۔ قلب کا رنگ یہ دیکھکر ابن بشار نے خادم کو آواز دی اور کہا کہ اس شہر آشوب کو لیجا کر نخاس مین واپس آؤ میرے نزدیک اتنی اُسکی قدر نہین ہی کہ میرے دل کو علم سے پھیر لے۔ چنانچہ خادم گیا اور جاریہ کو واپس کر آیا۔[2]

حفظ و استحضار علمی | یہ ایک مشہور مقولہ ہی کہ علم سینہ بہ از علم سفینہ۔ ہمارے اگلے

[1] (ابن خ ج۲ ص ۲۱۲) [2] (نزہتہ ص ۳۳۲)

علما کا ایک دورہ تھا جب کتاب کا وجود بھی مسلمانون مین نہ تھا۔ جو کچھ اُستادون سے پڑھتے اور سیکھتے۔ اُس کو صفحۂ حافظہ پر ثبت کرنا پڑتا تھا۔ یہان تک کہ کاغذ و قلم کی مدد کو وہ عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعض علمائے سلف فخریہ یہ بیان کرتے کہ ہم نے کبھی سپیدی پر سیاہی کے دھبے نہین ڈالے۔ گویا اُن کے دماغ کتاب خانے تھے جن مین علمی مسائل خوبی اور خوش اسلوبی سے چنے ہوئے تھے۔ اِسی قوّت حافظہ کی وجہ سے اُس زمانے مین تعلیم کا طریقہ املا کے طرز پر تھا۔ حق یہ ہے کہ جیسے اساتذۂ فن اس روش تعلیم نے پیدا کئے وہ کتاب خوانی کے طریقہ سے پیدا نہو سکے۔ جتنے فن آج اسلام مین مدّون ہین اُنکے روسا و کملا اُسی عصر مین ملین گے جب طریقۂ املا رائج تھا۔ متاخرین کے پاس سرمایۂ فخر حاشیہ شرح نویسی ہے۔ برخلاف متقدّمین کے کہ وہ مجتہدانہ قوت پر ناز کرتے تھے۔ اُن بزرگون کے حفظ اور استحضار علمی کے واقعات دیکھکر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسی شاقّہ محنتین وہ علوم کی تحصیل مین برداشت کرتے ہونگے۔ اُن حکایتون کی نسبت اپنی حالت پر قیاس کرکے بدگمانی کی نظر ڈالنا آئین حق سے بعید ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے تمام قُویٰ مشق اور کثرت کار سے ترقی کرتے ہین اور ترقی کی کوئی حد مُعین نہین۔ آیندہ دوران بیان مین آپ کو ایسی حکایتین ملین گی جن کو معتبر مؤرخین نے چشم دیدہ لکھا ہے۔ یا دوسری عینی شہادت کو نقل کیا ہے۔ بعض اپنے حالات خود ائمۂ ثقات نے نقل کئے ہین۔ اِن حالتون مین میری راے ناقص مین کسی شک و شبہہ کی گنجایش بہت کم رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ کتابین تصنیف ہوئین اُن پر اعتماد بڑھا اور قوت حافظہ بیکاری کی وجہ سے مضمحل ہو گئی۔ جو علم متقدمین کے دماغون مین تھا وہ مُتاخرین کے کتاب خانون مین آکر ٹھہرا اور نوبت یہانتک پہنچی کہ اگلون کے حالات پچھلون کے قیاس سے بھی باہر معلوم ہونے لگے۔

غور کرنے سے یہہ بات معلوم ہوتی ہی کہ متقدّمین کی قوت علمیہ کو ان تین ذرایع سے بہت مدد ملتی تھی۔ اولاً حفظ ثانیاً کتابون کا اپنے ہاتھہ سے لکھنا۔ ثالثاً کثرت مطالعہ۔ لیکن متاخرین سے رفتہ رفتہ یہہ سب سلب ہو گئے۔ حفظ کو کتابون کی تصنیف نے باطل کر دیا۔ اور تحریر بھی کتابون کی کثرت سے فضول ہو گئی۔ اور اس زمانے مین جبکہ مطبع کتابون کے وجود سے دُنیا کو مالا مال کر رہا ہی کتابون کا نقل کرنا تضیع اوقات سے زائد نہین خیال کیا جا سکتا۔ ایک مطالعہ باقی تھا اُس کو ہمارے زمانے مین اُس طرز تحشیہ نے بالکل غارت کر دیا جو بدقسمتی سے رائج ہو گیا ہی۔ ضمائر کے مرجع۔ اشارون کے مشار الیہ ہندسون کی مدد سے ظاہر کئے جاتے ہین۔ تقریباً ہر ہر لفظ پہ حاشیہ بلکہ حواشی نقل کئے جاتے ہین۔ نتیجہ یہ ہی کہ طلبا ان کتابون کو خرید کر نہ مطالعے کی محنت شاقہ اُٹھاتے ہین نہ اساتذہ کی تقریرون کو پورے طور سے قابو مین کرتے ہین۔ اسی اعتماد نے کہ ہماری کتاب مین سب کچھہ لکھا ہے جب ضرورت ہو گی دیکھہ لین گے دماغی قوت کا بالکل ستیاناس کر دیا۔

مجھے اس عہد کے ایک مشہور فاضل نے اپنی طالب علمی کا قصہ بیان کیا کہ میرزاہد رسالہ پڑہنے کے وقت ہمارا یہہ عالم تھا کہ جو جو رموز اور نکات اُستاد کی زبان سے نکلتے ہماری یہ کوشش ہوتی کہ ہمارے دماغون مین نقش ہو جائین۔ کیونکہ اگر استاد کی زبان سے نکلکر ہمارے دماغون مین نہ ٹھہرتے تو پھر کہان ملتے۔ غرض پڑہتے وقت ہم اُستاد کے بیانون کو پوری توجہ سے سنکر خیال مین رکہتے درس سے فارغ ہو کر اُس کا خلاصہ لکھتے اور لکھے ہوئے کو یاد رکھتے انہین دنون مین لکھنو یا کانپور سے رسالہ مذکور محشّی ہو کر نکلا اور نکلتے ہی مدارس مین پھیلا اُس رسالے کے خریدتے ہی طلبہ کی ہمت مین قصور آ گیا اور اُنھون نے سمجھہ لیا کہ جو استاد کی زبان پر ہی وہ ہمارے

پاس موجود ہی۔ پھر جانفشانی بیکار ہو۔ افسوس ہی کہ کتابون مین سب کچھ تھا مگر اُن کے دماغون مین کچھ بھی نہ آیا۔ جو کتابین اگلے اساتذہ کو دیکھنے کو نہ ملتی تھین آج وہ دوکانون مین بھری پڑی ہین۔ لیکن علم کا قحط ہو۔ اب تمہید برطرف اصل مُدعا سنیئے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی مصنف جامع ترمذی (جو صحاح ستہ مین شامل ہی) فرماتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے دو جزو ایک شیخ کے روایت کردہ احادیث کے لکھے تھے۔ حُسنِ اتفاق سے اُسی عرصے مین خود وہ شیخ مجکو مل گئے۔ مین نے اُنسے احادیث مذکورہ کی اجازت طلب کی اور اُنھون نے میری استدعا قبول فرمائی اور اُن احادیث کو سُنانا شروع کردیا درخواست کرتے وقت مجکو خیال تھا کہ مذکورہ بالا دونون جزو میرے پاس ہین۔ اب جو دیکھتا ہون تو بجائے اون کے دو سادے جزو مین نے غلطی سے اپنے پاس رکھ لیے تھے مجھے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ وہی سادے جزو ہاتھ مین لیکر شیخ کی حدیثین سُننے لگا۔ سُوءِ اتفاق سے شیخ کی نظر اُن اوراق پر پڑ گئی اور انھون نے بگڑ کر کہا کہ تم کو مجھسے شرم نہین آتی۔ مین نے اصلی ماجرا بیان کیا اور کہا کہ جو حدیث آپ سُناتے ہین وہ مجکو یاد ہوتی جاتی ہی۔ شیخ کو میرے قول کا اعتبار نہ آیا۔ اور فرمایا سُناؤ۔ مین نے سب سُنی ہوئی حدیثین لفظ بہ لفظ سُنا دین۔ اُنکا شُبہہ اب بھی نہ گیا اور کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیثین میرے سُنانے سے پہلے تم حفظ کر چکے تھے۔

مین نے گذارش کی کہ آپ اور نئی حدیثین بطورِ امتحان روایت فرمائے۔ چنانچہ چالیس حدیثین اُنھون نے نئی سُنائین اُنکو بھی مین نے فوراً دُہرا دیا اور ایک بھی غلطی نہین کی۔ واقعۂ بالا سے معلوم ہوتا ہی کہ کثرتِ مشق اُن کے حافظے کی قوت کو کیسا بڑھا دیتی

ا (تذ ج ص ۲۰۹)

تھی کہ غور سے سُننا اور حفظ ہو جانا یہ دونوں عمل اُن کے واسطے ایک ہو گئے تھے داؤد ابنِ سمعہ نے ایک بار کہا کہ لوگ حفظ کے بارے میں ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ کی نظیر دیا کرتے ہیں میں نے واللہ قرطبہ سے بڑھکر کوئی حافظ نہیں دیکھا ایک دفعہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اِن کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کتابوں میں سے جس کو چاہو اُٹھا لو میں حفظ سُنا دونگا امتحاناً میں نے ایک کتاب اُٹھا کر کہا کتاب والاشربہ۔ میں نے اتنی تحریک کی تھی کہ اُن کی قوتِ حافظہ کا چشمہ روان ہو گیا اور ساری کتاب سُنا ڈالی۔[1]

خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ادیب مشہور ابو عمرو زاہد قاضی محمد کے صاحبزادے کو ادب کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک روز اُنھوں نے اپنے شاگرد کو لغت کے تین مسئلے اور اُن کے آخر میں دو شعر لکھوائے۔ اتفاقاً اُسی دن عہد مذکور کے تین اُستاد کامل ابنِ دُرید۔ ابن انباری اور ابو بکر۔ قاضی ممدوح سے ملنے آئے (کثرتِ بیان کی وجہ سے بعض لوگ ابو عمرو کی نسبت یہ بدگمانی کرنے لگے تھے کہ وہ بہت سی باتیں طبعزاد بھی کہدیتے ہیں لہذا) قاضی صاحب نے وہ مسائل علمائے موصوف کی خدمت میں پیش کئے اور اُن کی تنقیح چاہی۔

ایک علامۂ وقت کے مسائل پر رائے زنی کرنا پوری ذمہ داری کا کام تھا۔ ابن انباری اور ابو بکر تو اپنے مشاغل کا عذر کر کے خاموش ہو رہے۔ ابنِ دُرید نے بے ساختہ کہا کہ اِن مسائل کی لغت میں کوئی اصل نہیں۔ سب ابو عمرو کے گڑھے ہوئے ہیں۔ ابو عمرو کو یہ خبر پہنچی تو قاضی صاحب سے کہلا بھیجا کہ اپنے کتاب خانے میں سے فلاں فلاں شعراء کے

[1] (تذکرۃ ص ۳۰۹)

عرب کے دیوان نکلوا دیجئے - چنانچہ وہ سب دیوان نکالے گئے - ابو عمرو نے ایک ایک
مسئلہ لیکر اُس کے شواہد اُن دیوانون سے نکال نکال کر قاضی صاحب کو دکھلانے شروع
کئے اور اسی طرح تیسون مسئلے اہل زبان کے کلام سے ثابت کر دیے - دو شعر
جو اخیر مین لکھوا دیے تھے اُنکی نسبت کہا کہ میرے اُستاد ثعلب نے فلان روز آپ کے
سامنے پڑھے تھے اور آپ نے فلان کتاب کی پشت پر لکھ لئے ہین - جب وہ کتاب
بھی دیکھی گئی تو فی الواقع وہ شعر اُس پر ثبت تھے - ابن دُرید نے اس حال کو سُنکر پھر
کبھی کوئی لفظ ابو عمرو کی نسبت زبان سے نہین نکالا۔[1]

متنبی شاعر مشہور سے ابو علی فارسی امام نحو نے ایک بار پوچھا کہ فِعلیٰ کے وزن پر عربی
زبان مین کتنے اسم جمع آئے ہین - متنبی نے بے تامل کہا حِجلیٰ - اور ظِربیٰ - ابو علی نے
تین شب متواتر لغت کی کتابین چھانین - مگر تیسرا اسم جمع اُن کو اس وزن کا نہ ملا۔[2]

جب حسن ابن سہل وزیر خلیفہ مامون الرشید عراق مین آیا تو اُس نے علمای
ادب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جس پر - اصمعی - ابو عُبیدہ - اور ابو بکر نحوی - بارگاہ
وزارت مین حاضر ہوئے - اُنسے مخاطب ہونے سے پیشتر وزیر نے اُن عرائض پر
دستخط کیے جو اہل حاجت نے پیش کی تھین - جب ان عرضیون پر جو شمار مین پچاس تھین یا
دستخط کر چکا تو اُن اُدبا کی طرف متوجہ ہو کر معذرت کی اور سلسلۂ کلام شروع کیا - اثنای
کلام مین اُن علمای گذشتہ کا ذکر ہوا جن کی قوت حافظہ مشہور تھی - اور امام زُہری اور
قتادہ کا ذکر ہونے لگا - ابو عبیدہ نے کہا حدیث زندہ گویم مردہ در گور - اس وقت یہان
ایسا شخص موجود ہے کہ کبھی کتاب کو ایک بار پڑھ کر دوبارہ دیکھنے کی اُس کو حاجت نہین ہوئی

۱ (تذ ج ص ۹۱) ۲ (ابن خ ص ۳۶)

اور جو بات ایک دفعہ اُس کے خزانۂ حافظہ میں پہونچ گئی پھر نہیں نکلی یہہ سنکر اصمعی نے جسارت کرکے کہا کہ یہہ میری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اُن دعوے کو میں اسطرح ثابت کرسکتا ہوں کہ وزارت مآب نے جسقدر عرائض پر اِس وقت دستخط فرمائے ہیں اُن سب کا خلاصۂ مضمون اور دستخطوں کی اصل عبارت سُنا دوں۔ وزیر کے حکم سے کل عرضیاں واپس کرکے پیش ہوئیں اصمعی نے بیان کرنا شروع کیا کہ فلاں عرضی کے پیش کنندہ کا یہہ نام ہے اور یہہ کام اور یہہ دستخط اُس پر ہوئے اسی طرح وہ نادرۂ روزگار بیان کرتا گیا جب کچھہ اوپر چالیس عرضیوں کی نوبت پہونچی تو حاضرین میں سے ابونصر نے کہا کہ اصمعی خدا کے لئے اپنی جان پر رحم کرو کہیں نظر نہ لگ جائے۔ یہہ سنکر وہ چہکتا ہوا بلبل خاموش ہوگیا۔

امام ابوسعد کو ساری صحیح مسلم۔ حافظ ابوالحسین اصفہانی کو صحیح بخاری و صحیح مسلم اور امام تقی الدین بعلبکی کو الجمع بین الصحیحین۔ صحیح مسلم اور اکثر مسند امام احمد بر زبان تھی امام آخر الذکر ایک جلسے میں تین سو حدیثیں حفظ کر لیتے تھے اور ایک بار ایک دن کے کم میں انھوں نے مقامات حریری کے تین مقامے ازبر کر لئے ۳ ۔ علامہ ابن اصیبعہ مؤلف طبقات الاطبا نے ادویہ مفردہ کے متعلق کچھہ کتابیں مصنفہ ابن بیطار خود مصنف سے پڑھی تھیں۔ اپنے اُستاد کی تعلیم کا جو اسلوب انھوں نے طبقات میں لکھا ہے اُس سے علاوہ استحضار علمی کے یہی آشکارا ہوتا ہے کہ اساتذۂ سلف کسطرح اپنے تلامذہ کو کامل بنا دیتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اُستاد کے درس کے وقت بہت سی کتابیں مفردہ دواؤں کے متعلق مثل کتاب حکیم دیسقوریدس۔ کتاب جالینوس۔

---

۱ (ابن ج ص ۳۶۲) ۲ (ایضاً ج ص ۸۰-۱۱۶-۲۳۱)

کتاب غافقی موجود رہتین - اُن کے پڑہانیکا طریقہ یہ تھا کہ اول ایک مفرد دوا کا یونانی نام (جو دیسقوریدس نے لکہا ہے) لیتے اُسکے بعد اُسکے معنی (جو اُنھون نے روم مین رہکر تحقیق کیئے تھے) بیان کرتے - پہر جسقدر اطبا مذکور نے اُس دوا کے افعال وخواص لکھے ہین سناتے - اسیطرح جالینوس اور متاخرین کے اقوال ومذاہب کا بہ ترتیب ذکر کرتے - پہر اطبا کے باہمی اختلاف کی (دوای مذکور کی نسبت) تشریح کرتے - آخر مین وہ غلطیان ظاہر کرتے جو اطبای مذکور سے اُس دوا کے متعلق سرزد ہوئی تھین - اُستاد جب ان مدارج کو طے کر چکتے تو ہم محولہ کتابون کو کھول کر دیکھتے اُن کے زبانی بیان اور کتابون کے مضمون مین سر مو فرق نہ نکلتا - جب ہم کتاب دیکھتے تو ابن بیطار یہ بتاتے جاتے کہ دیسقوریدس نے فلان مقالے مین اس کا دوا کا ذکر کیا ہے اور مقالۂ مذکور مین اس کا یہہ نمبر ہے - اس قدر بیان پر علامہ اُستاد کو تسلی نہ ہوتی بلکہ جن نباتات کا ذکر درس مین ہوتا وقتاً فوقتاً جنگل مین لے جاکر اُنکا مشاہدہ بھی طلبہ کو کرا دیتے - جو اُستاد اپنے طلبہ کے سامنے بقراط اور جالینوس کی غلطیان نکال کر رکھدے اُن کو کتاب کا کیڑا نہ بنائے بلکہ حقایق کے مشاہدے کا خوگر کرے اُس کے شاگرد بیشک کامل اور محقق ہون گے - جو لوگ جالینوس اور ارسطو کی عقل کو معصوم مان چکے اُنہون نے تو گویا اپنی عقلون کو یونانیون کے ہاتھ بیچ ڈالا - پہر کمال کیسا اور تحقیقات کیجا

امام داود ظاہری ناقل ہین کہ میری محفل مین ایک روز ایک شخص ابو یعقوب بصری نامے شکستہ حال وارد ہوئے اور بدون کسی اشارے کے خود بخود صدر مین آبیٹھے - اور فخریہ لہجے مین مجھے کہا کہ سَلْ یا فتےٰ عمّا بدا لک (اے جوان تیرے

---

۱ (عیون - ج ۲ ص ۱۳۳)

دل میں جو آئے مجھ سے پوچھ لے) مگر اُن کی اس مشیخت پر سخت غصہ سا آیا اور
انتہا اگو میں نے کہا کہ حجامت کی نسبت کچھ فرمائیے ابو یعقوب نے بارک اللہ کہا اور
سب سے اول محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو شروع کی۔

حدیث اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ کو روایت کر کے بیان کیا کہ کس راوی نے
اُس کو مسند اور کس نے موقوف اور کس نے مرسل روایت کیا ہے۔ اور فقہا میں سے
کس کس کا عمل اس پر ہے اس کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے
لگوانے کے مختلف طریقے بیان کئے اور اُس اجرت کا ذکر کیا جو آپ نے حجام کو مرحمت
فرمائی تھی اور یہ ثابت کیا کہ اگر اجرتِ حجامت حرام ہوتی تو آپ مرحمت نہ فرماتے۔ پھر
ایک اور حدیث کے طرق روایت سنائے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت نے پچھنے
لگوائی تھیں۔ پھر اس باب کی تمام احادیث صحیحہ متوسطہ اور ضعیفہ کو علی الترتیب
بیان کیا۔ اصول حدیث و فقہ کے مطابق اس قدر بحث کے بعد وہ طب کی طرف جھکے اور
اطبا کی جو رائے حجامت کی نسبت مختلف زمانوں میں رہی ہے اس کو مشرح بیان کیا
طب کے بعد تاریخ کا نمبر تھا آخر کلام میں انھوں نے یہ ثابت کیا کہ سب سے اول یہ عمل
اصفہان میں ایجاد ہوا تھا۔ امام ظاہری فرماتے ہیں کہ میں یہ وسعت نظر دیکھ کر متحیر
رہ گیا اور اُنکی طرف مخاطب ہو کر کہا للہ مَا حَقَّرْتُ بعدک احداً ابداً یعنی
میں بعد تمہارے کسی کو بہ نظر حقارت نہیں دیکھوں گا۔ مجد الدین فیروز آبادی صاحب
قاموس نے ایک زمانے میں بیان کیا تھا کہ میں جب تک دو سو سطریں حفظ نہیں کر لیتا
سوتا نہیں۔

لـ (ابن - ج ص ۱۷۶) عدد پچھنے لگوانا ۱۲

قرامان واقع ملک روم میں جو مدرسہ بنام مدرسۂ سلسلہ جاری تھا اس کے بانیکی جانب سے یہ شرط تھی کہ اوس کا مدرس وہ عالم مقرر کیا جائے جس کو صحاح جوہری از بر ہو چنانچہ مولانا جمال الدین اپنے عہد میں مدرسۂ مذکور کے مدرس تھے۔[1]

علم سے سیر نہ ہونا

علامہ ابن العلا سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ آدمی کو علم کب تک حاصل کرنا چاہئے۔ اُس عالی دماغ نے جواب میں کہا کہ ما دامت الحیاۃ تحسن بہ یعنی جب تک حیات مہربان رہے۔ دریا ہے علم ناپیدا کنار ہے اور انسانی زندگی محدود۔ بااینہمہ اگر آدمی ایک حد پر پہونچ کر علم سے سیر ہو جائے تو یہ اُسکی حرمان نصیبی ہے شوق کا تقاضا یہ ہے کہ ؎ دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجانان یا جان زتن بر آید + اور یہ محض ایک دل خوش کن خیال نہیں ہے آپ میدان علم میں ایسے جوان مرد پائیں گے جنھوں نے اس قول کو دم واپسین تک عزیز رکھا اور دکھلا دیا کہ جب اجل کا فرشتہ اُنکی جان شیریں تن سے جدا کر رہا تھا وہ علم کی خدمت میں مشغول تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ جب علم محدود نہیں تو طلب کی بھی کوئی حد نہ ہونا چاہئے کسی کمال کے طالب کا یہ خیال کر لینا کہ میں حد طلب کو پہونچ چکا اُسکے حق میں سم قاتل ہے یہ مسالہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ عالم میں کسی حالت کو وقوف نہیں ہے یا ترقی ہے یا تنزل۔ پس علمی عروج میں بھی جس زینے پر طالب کا قدم رکا وہیں سے اُس کا تنزل شروع ہو جائے گا۔ اور جب اُس کے ذہن میں اپنی نادانی کا خیال راسخ اور اُس کی ہمت کا مقولہ پیش نظر رہے گا اُس کو میدان طلب میں فتح و فیروزی نصیب ہوتی جائیگی۔

---

[1] (شقائق ج ۱ ص ۳۳۲)

سقراط کا مقولہ ہے کہ میرے علم کی معراج یہ ہو کہ مین نے یہ سمجھ لیا ہو کہ مجکو کچھہ نہین آتا۔ دیار مغرب کا ایک حکیم دانا جب بستر نزع پر دم توڑ رہا تھا تو اوس نے کہا کہ دنیا میرے علم کی نسبت معلوم نہین کیا گمان کر رہی ہے۔ مگر مین اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہون کہ ایک ناسمجھ بچہ سمندر کے کنارے پر چند خذف پارون سے کھیل رہا ہو اور علم کا ناپیدا کنار سمندر اوسکے سامنے موج زن ہے۔ بیشک اگر ان حکما کا یہ دلی عقیدہ نہ ہوتا تو برگزیدہ علمی مراتب پر سرفراز نہ ہوتے ؎ اے برادر بے نہایت درگہیست ٭ ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

امام ابن السنی کے صاحبزادے فرماتے ہین کہ میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات کے منہ مین رکھا اور دعا کو ہاتھ اٹھائے۔ جو ہاتھ دعا کے لئے اٹھے تھے پھر وہ قلم نہ اوٹھا سکے اور عین حالت دعا مین روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ ابن السنی کا سن اوس وقت اسّی برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔ حافظ ابن مندہ کا بیان ہو کہ اون کے والد جب دنیا کی رحلت کر رہے تھے تو اوس وقت بھی حافظ ساجی اون کے سامنے غرائب شعبہ کی قرأت مین مصروف تھے۔[2] امام ادب ابو العباس ثعلب کی وفات کے واقعے سے زیادہ موثر مثال اس بحث مین مشکل سے ملے گی۔ ثعلب کی عمر اکانوے برس کی ہو چکی تھی کہ ایک دن جمعے کے بعد مسجد سے مکان کو جا رہے تھے۔ راستے مین کتاب دیکھتے جاتے تھے۔ کتاب مین محویت اور اوس پر ثقل سماعت۔ پھر وہ آواز کیا سنتے۔ ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اوس کے صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ غشی کی حالت مین اٹھا کر مکان پر لائے ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو کب برداشت کر سکتا تھا اوسی حالت مین رحلت کی انتہائے پیری مین بھی اونکا شوق مطالعہ اتنا قوی تھا کہ رہ نوردی مین جو وقت گذرتا

---

۱ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۵۱) ۲ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۰۲)

اُس کا جانا رہنا بھی گوارا نہوا ۔ چہ حالتست ندانم جمال سلمارا ۔ کہ پیشیں دیدنش افزون کند تمنارا + اور سچ یہ ہے کہ اگر یہ علمی تشنگی نہ ہوتی تو ابو العباس ادب میں امامت کے درجے کو نہ پہونچتے۔[1]

انسان جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہی تو اُس سے معمولی کام بھی نہیں ہوسکتے لیکن طلب صادق میں یہ کرامات ہے کہ وہ پریشانی کو بھی جمعیت کے قالب میں لے آتی ہی علمائے سلف نے پریشان خاطری کی حالت میں وہ کام کئے ہیں کہ زمانہ آج تک اُن پر آفرین کر رہا ہی۔ ابو تمام طائی شاعر مشہور ایک مرتبہ خراسان کے دربار کو جا رہا۔ ہمدان پہونچا کہ موسم سرد مہری سے پیش آیا اور برف اس کثرت سے پڑی کہ رستے بند ہوگئے اور ابو تمام کو چند روز وہیں قیام کرنا پڑا۔ حالت سفر میں ایسا حرج واقع ہونے سے جو پریشانی طبیعت کو ہوتی ہی وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر ہمارے زندہ دل شاعر کی خاطر جمع تھی۔ جس رئیس کا وہ مہمان تھا اُس کے کتب خانے میں دواوین عرب بکثرت تھے تمام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر تمام دیوان پڑھے اور اُن میں سے اشعار انتخاب کرکے نظم عرب کا ایک بے بہا مجموعہ تیار کر لیا جو آجتک حماسہ کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہی۔[2] شیخ الرئیس سے ایک زمانے میں حکام وقت برہم تھے اور جان کے خوف سے اُس کو روپوش کر رکھا تھا اسی تباہ حالی میں چند دن کے لیے اُسے ایک عطار کے گھر میں پناہ مل گئی اتنا سا اطمینان پاکر شیخ کو اپنے علمی مشاغل یاد آئے اور عطار سے سامانِ تحریر منگوا کر تصنیف شروع کر دی۔ یہ کوئی معمولی تصنیف نہ تھی بلکہ شیخ اپنی کتاب شفا کو تمام کر رہا تھا۔ طرز تصنیف یہ تھا کہ اول رؤس مسائل اپنی یاد سے ایک جز پر لکھے اُس کے بعد اُن مسائل کی تشریح کی۔ اس طرح فن طبعیات و الٰہیات ختم کر دے فنون

۱؎ (ابن خ ص ۲۴۳) ۲؎ (ابن خ ص ۱۶۱)

حکمیہ مین کتاب حیوان وکتاب نبات اگرچہ باقی تھی۔ لیکن شیخ انکو چھوڑ کر فن منطق سے لکھنے لگا
ہنوز منطق تحریر ہو رہی تھی کہ قضیہ دگرگون ہو گیا۔ کسی مخبر نے حاکم کو خبر کر دی اور اُس نے
شیخ کو گرفتار کر کے قلعۂ فردجان مین بھیجدیا اُس بلند و استوار حصار مین شیخ کا جسم بے شک مقید
تھا لیکن اُس کے علمی شوق کو کوئی دنیاوی طاقت مقید نہیں کر سکتی تھی۔ اُسی زندان مین
کتاب الہدایات رسالۂ حی ابن یقظان۔ اور کتاب القولنج شیخ نے تصنیف کر ڈالیں۔
اس زمانے کے لوگ اگلے زمانے کے ایک بہشتی زمانہ تصور کر رہے ہین جس مین علما
کے واسطے در و دیوار اور زمین و آسمان سے اطمینان و فارغ البالی برستی تھی۔ اور انکا
یہ گمان بلکہ بدگمانی ہے کہ جو نمایان کام پچھلون نے کیے وہ اسی فراغ خاطر کی بدولت تھے
حالآنکہ واقعات اس کی تردید کر رہے ہین۔ کیا حکایت بالا کو پڑھکر کسی دل مین یہ تمنا
پیدا ہو گئی کہ کاش اُس کو شیخ الرئیس کا سا اطمینان نصیب ہوتا۔ اگر شیخ نجات و فراغ
خاطر کا منتظر رہتا تو دنیا کو شفا وغیرہ جیسی بہا تصانیف کب میسر آتین۔ شیخ ابن جوزی
ایک زمانے مین واسطہ مین نظر بند تھے یہ وہ وقت تھا[1] یہ واقعات پڑھنے کے بعد یہ سوال
دل مین پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان مجالس کے حاضرین کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا۔ اور حقیقتہً
ان روایتون پر وثوق اُس طریقے کی صحت و عدم صحت پر موقوف ہے۔ ذیل کا واقعہ اس
سوال کا جواب دیگا۔ احمد بن جعفر راوی ہین کہ جب ابومسلم بغداد مین آئے تو رحبۂ غسان
نامے مقام پر انھون نے حدیث کا املا کیا سات مستملے کھڑے ہوئے۔ جن مین سے ایک
دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچا تا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریر حدیث مین مصروف تھے
یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کس قدر آدمی اُس وسیع میدان مین فراہم تھے میدان مذکور

[1] (عیون ج۲ ص۷)

کی پیمایش کی گئی۔ اور دواتوں کا شمار کیا گیا۔ کچھ اوپر چالیس ہزار دواتیں شمار ہوئیں
جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔ جب شیخ وقت
فریابی نے بغداد میں املای حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی انکی مجلس میں حاضر تھے۔ اور
حاضرین تخمیناً تیس ہزار ابو الفضل راوی ہیں کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سُنی ہے تو
قریباً دس ہزار آدمی اُن کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو دوات قلم لیکر بیٹھتے۔ امام
ذہبی ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک
کے اقوال و احوال کا اہل اسلام میں تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی
جاتی تھیں۔[۱]

امام بخاری کے صرف ایک شاگرد فربری سے نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی
اجازت حاصل کی تھی۔[۲] جب فرّاء نے اپنی تصنیف کتاب المعانی (فن ادب) کا املا کیا تو
لوگوں نے حاضرین کا شمار کرنا چاہا۔ مگر بوجہ ہجوم کے نہ کر سکے۔ صرف قاضیوں کو گنا
تو اسّی تھے۔[۳]

دوسرا ذریعہ عامۂ مسلمین میں علم کی کثرت دریافت کرنے کا اُن باکمالوں کی
تعداد ہے جو ایک ایک شہر میں ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ جب اس بات پر لحاظ
کیا جائے کہ فی صدی کتنے طلبہ اعلی تعلیم تک پہونچتے ہیں۔ اور پھر اعلی تعلیم تک پہونچنے
والوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو علم و فن کی خدمت کے لئے وقف
کر کے کمال حاصل کرتے ہیں تو یہ نسبت باکمالوں کی تعداد مسلمانوں میں علم کے عام
اور شایع ہونے کی شہادت بن سکے گی۔ ذیل کے واقعے صرف ایک ایک فن کے

---

۱ (تذ ج۲ ص ۱۹۶ - ۲۶۲ - ۲۱۰) ۲ (مقدمہ ص ۵۰۹) ۳ (ابن خ ج۲ ص ۲۲۸)

تھے) سات لاکھ درہم طلب میں صرف کئے - اسی طرح ابن متوکل بخاری نے اسی ہزار درہم - حافظ[1] کبیر ابن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں - حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درہم - اور امام ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم طلب علم میں خرچ کئے -

ابو بکر جوزقی کی نسبت روایت ہے کہ انھوں نے طلب علم میں ایک لاکھ درہم خرچ کئے[2] اور جس فن کو اتنا گران خریدا اس کو کبھی سستا نہیں بیچا یعنی اسکے ذریعے سے کبھی دنیا نہیں کمائی[3] - ابو یوسف سدوسی حافظ علامہ جن کی مسند کبیر فن حدیث میں ایک گران مایہ کتاب ہے بہت مشہور اور باثروت تھے چالیس کاتب انکی سرکار میں شب و روز کتابوں کی نقل کے واسطے حاضر رہتے - انکے علمی حوصلے اور ہمت سے کتابیں تصنیف کرتے تھے وہ اس سے عیاں ہے کہ جس مسند کو کبیر کا لقب ملا ہے اسکی تیاری اور تکمیل میں دس ہزار اشرفیاں صرف ہوئی تھیں[4] - ابو مسلم صاحب سنن نے اول مرتبہ روایت حدیث کرنے کی خوشی میں دس ہزار درہم خیرات کئے - فاروق خطابی انکے ایک شاگرد راوی ہیں کہ جب ہم لوگ انکے سنن سنکر فارغ ہوئے تو ہماری ضیافت انہوں نے بڑی دھوم سے کی جس میں ایک ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں[5] - اسی طرح جب ابن احمد ہمدانی نے پہلی بار اپنے وطن ہمدان میں املائے حدیث کیا تو سات سو اشرفیاں طلبائے حدیث کے نذر کیں[6] - شاہ عبد العزیز صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی کے حالات میں فرماتے ہیں کہ جب حافظ ممدوح بخاری کی شرح فتح الباری کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس مسرت میں انہوں نے ایک شاندار دعوت پانسو اشرفی لگا کر کی[7] - دارقطنی کے استاد امام دعلج کی سرکار سے محدثین مکہ

---

[1] (تذ ج ۲ ص ۲۵۵) [2] (تذ ج ۳ ص ۱۰) و ص ۱۵۶ - و ص ۱۷۴ - و ص ۱۱۴) [4] (تذ ج ۲ ص ۲۱۹)
[5] (تذ ج ۳ ص ۱۵۵) [6] (بستان ص ۱۹۸) :--

مکرّمہ و عراق و سجستان کے وظائف مقرر تھے[1]۔ حافظ ابو عبداللہ رازی اخیر دفعہ بصرے گئے تو صرف کاتبین کی اجرت کی بابت دس ہزار درہم ادا کئے[2]۔

مسلمانانِ سلف میں عموماً علمی ذوق۔

علمائے سلف کی علمی شیفتگی سے بحث کرنے کے بعد غالباً ایک نظر اس زمانے کے عموماً اہل اسلام کی علمی حالت پر ڈالنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اس دور شائستگی میں جس طرح ہر شائستہ ملک و ملت کے فی صدی تعلیم یافتہ لوگوں کی صحیح تعداد آئینہ ہو رہی ہے اُس طرح ہم اگلے زمانے کے عوام مسلمانوں کا ٹھیک ٹھیک شمار پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مگر بہت سے واقعے کتابوں میں ایسے ملتے ہیں جن کی مدد سے قیاس اپنا کام کر سکتا ہے۔ اور ایک تخمینی حالت پچھلے مسلمانوں کی بکثرت تعلیم یافتہ ہونے کی ہمارے ذہن میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس بحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ عامۂ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج۔ بیبیوں میں علم کا چرچا۔ اُمرا میں علم۔

عامۂ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج

عامۂ اہل اسلام میں علمی رواج و مذاق کا پتا لگانے کے تین ذریعے ہمارے پیش نظر ہیں۔ اوّلاً ان حاضرین کی تعداد جو ایک ایک حلقۂ درس میں شامل اور حاضر ہوتے تھے۔ ثانیاً ان اہل کمال کا شمار جو ایک ایک شہر میں تھے۔ ثالثاً چند متفرق حکایتیں۔

یحییٰ[3] ابن جعفر بیکندی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن عاصم کے حلقۂ درس حدیث میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ یزید بن ہارون نے جب بغداد میں درس حدیث

---

1 (تذکرہ ص ۹۸) 2 (تذکرہ ص ۲۱۶) 3 (تذکرہ ص ۲۹۰-۲۹۱-۳۶۰-۳۶۴)

تو اس میں ستر ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ سلیمان ابن حرب کے واسطے
بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھکر املای
حدیث کریں۔ اس مجلس میں امیر المومنین مامون الرشید اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے
جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا تھا اس کو امیر المومنین اپنے قلم سے لکھتے جاتے۔ جب کل
حاضرین درس کا تخمینہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس اندازہ میں آئے۔ امام عاصم ابن علی املای
حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھتے تھے ان کے
متعلق ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے واسطے ایک خاص کھجور کا درخت پسند کر رکھا
تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار اپنا معتمد اس مجلس کی شمار کا اندازہ کرنے کے
لیے بھیجا مستعد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار حاضرین کی تعداد پہنچی
جس قوم کے افراد ایک ایک مجلس علمی میں سوا سوا لاکھ جمع ہو جائیں قیاس کیجیے کہ اس قوم
کے سینے میں کتنا شوق علم بھڑک رہا ہوگا۔ اور جو شہر اپنے سوا سوا لاکھ باشندے ایک
علمی صحبت میں بھیج سکتا ہے وہ کتنا آباد ہوگا۔

یہ واقعات پڑھنے کے بعد یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان مجالس کے حاضرین
کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا۔ اور حقیقتہً ان روایتوں پر وثوق اس طریقے کی صحت
و عدم صحت پر موقوف ہے۔ ذیل کا واقعہ اس سوال کا جواب دیگا۔ احمد بن جعفر راوی ہیں
کہ جب ابو مسلم بغداد میں آئے تو رحبہ غسان نامی مقام پر انھوں نے حدیث کا املا کیا۔ سات
مستملی کھڑے ہوئے جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور
لوگ کھڑے لکھتے تھے پھر حدیث میں مصروف تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ کس
قدر آدمی اس وسیع میدان میں فراہم تھے میدان مذکور کی پیمائش کی گئی۔ اور

دواتوں کا شمار کیا گیا۔ پچھلے پہر چالیس ہزار دواتیں شمار ہوئی ہیں۔ جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعًا شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔ جب شیخ وقت فریابی نے بغداد میں املائی حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملے انکی مجلس میں حاضر تھے۔ اور حاضرین تخمینًا تیس ہزار ابو الفضل راوی ہیں کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سنی ہے تو قریبًا دس ہزار آدمی اُن کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو دوات قلم لیکر بیٹھتے۔
امام ذہبی ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک کے اقوال و احوال کا اہل اسلام میں تھا کہ ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں[1]۔

امام بخاری کے صرف ایک شاگرد فربری سے نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کی تھی۔ جب فرّاء نے اپنی تصنیف کتاب المعانی (فن ادب) کا املا کیا تو لوگوں نے حاضرین کا شمار کرنا چاہا مگر بوجہ ہجوم کے نہ کر سکے۔ صرف قاضیوں کو گنا تو اسّی تھے[2]۔

دوسرا ذریعہ عامۂ مسلمین میں علم کی کثرت دریافت کرنے کا اُن باکمالوں کی تعداد ہے جو ایک ایک شہر میں ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ فی صدی کتنے طلبہ اعلیٰ تعلیم تک پہونچتے ہیں۔ اور پھر اعلیٰ تعلیم تک پہونچنے والوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو علم و فن کی خدمت کے لئے وقف کر کے کمال حاصل کرتے ہیں تو بے شک باکمالوں کی تعداد مسلمانوں میں علم کے آپ اندر شائع ہونے کی شہادت ہوگی۔ ذیل کے واقعے صرف ایک ایک فن کے کمالات بتلاتے ہیں۔

---

۱ (تذ ج ۲ ص ۱۹۶-۲۲۲-۲۱۰) ۲ (مقدمہ ص ۵۸۰) ۳ (ابن خلکان ص ۲۲۸)

مگر قیاس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ جس شہر میں نو سو سے زیادہ سند یافتہ طبیب ہونگے
اُس میں کتنے محدّث ہوں گے کس قدر ادیب اور کتنے مہندس وغیرہ ذالک پس
اولاً ذہن میں کل فن کے باکمالوں کی تعداد ایک فن کے باکمالوں پر قیاس کرکے قایم کیجیے
پھر یہ سوچیے کہ کتنے پڑھنے والوں میں ایک باکمال پیدا ہوتا ہے تو عامۂ مسلمین میں کثرت
تعلیم کا ایک اجمالی مفہوم ضرور آپکے ذہن میں قایم ہو سکیگا ۔

مسلم ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا ہے
اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں پُل[٢] سے آگے نہیں گیا۔ یعنے ایک ہی شہر میں آٹھ سو
اساتذۂ حدیث اون کو ایسے مل گئے جو شیوخ کا لقب حاصل کر چکے تھے[١] ۔ ٣١٩ھ میں خلیفہ
عباسی مقتدر باللہ کو یہ سنکر سخت افسوس ہوا کہ شہر بغداد میں ایک شخص کی جان کسی
طبیب کے جہل مرکب کی نذر ہو گئی ۔ آیندہ کی انسداد کے لیے رئیس الاطبا ابن ثابت کے نام
یہ حکم صادر کیا گیا کہ تمام اطبائے بغداد کا امتحان لیا جائے جو امتحان میں کامیاب ہوں
اون کو سند عطا ہو اور جو ناکامیاب نکلیں اون کو علاج کرنے سے روک دیا جائے
بغرض مزید احتیاط سند میں اس امر کی تشریح بھی ہو کہ دارندۂ سند کو فلاں فلاں
قسم کے امراض کے معالجے کی اجازت ہے تاکہ وہ انہیں امراض کا علاج کرسکے جنمیں
اوسکو پوری واقفیت ہو ابن ثابت نے فرمان خلافت کی تعمیل کی اور کل اطبائے
دارالسلام کا امتحان لیا ۔ کیا یہ حیرت خیز بات نہیں ہے کہ بعد امتحان دارالخلافت کے
دونوں حصوں میں جن اطبا کو سند علاج عطا ہوئی اونکی تعداد کچھ کم نو سو (٩٠٠) تھی ۔ مزید
برآں وہ اطبا اس شمار سے خارج ہیں جو بوجہ شہرت فضل و کمال امتحان سے

---

١ (شذرات ص ٣٦١) ٢ غالباً بغداد کا پل جو دجلے پر تھا ١٢

مستثنیٰ رہے یا جن کو سرکار خلافت میں تعلق حاصل تھا۔ خدا کو علم ہے کہ ایسے طلبہ کتنے
تھے اور اون کی تعداد لوسوس کے عدد کو کہاں تک بڑھا دیتی[1]۔

امام ادب نضر بن شمیل جب بصرے سے خراسان کو جانے لگے تو تین ہزار آدمی[2]
شہر سے اُنکی مشایعت کو ایسے نکلے جو یا نحوی تھے یا لغوی عروضی تھے یا محدث یا اخباری
کیا ہم انہیں اسلاف کے خلف ہیں جن میں کمال کی یہ کثرت تھی۔ ہماری پست
حالت تو ان واقعات کو بھی رستم و اسفندیار کے افسانوں کے پہلو بہ پہلو بٹھانے پر آمادہ
ہے جیسے تین ہزار اہل بصیرت ایک شہر بصرہ سے باہر آئے تھے ویسے تین بھی آج
تمام دنیائے مسلمین میں یقیناً نہیں نکلیں گے۔ جس قوم میں یہ قحط رجال ہو اسکے اگلے لوگوں
کی یہ مردم خیزی محال تو بے شک نہیں مگر بعید از حال و خیال تو ضرور ہے۔ تیسرا ذریعہ
یہ متفرق واقعے ہیں جن سے ایک نہ ایک پہلو سے ہمارا مدعا عیاں ہوتا ہے۔ ابن
الاعرابی کوفی نے ایک روز اپنے درس میں دو آدمیوں سے جو کہ باہم باتیں کر رہے تھے
اُن کا وطن دریافت کیا۔ ذرا غور سے سنیے کہ ایک نے اپنا وطن اسبیجاب (متصل حد
چین) بتلایا۔ دوسرے نے اسپین۔ ابن الاعرابی کو اس خیال سے حیرت ہوئی کہ کس قدر
دور دور از ملک کے باشندوں کو شوق علم کی کشش اُنکی مجلس میں کھینچ لائی تھی[3]۔ امام
ابو العباس نے ایام طالب العلمی میں اپنی والدہ سے اجازت چاہی کہ امام قتیبہ کی خدمت
میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوں مگر اجازت نہ ملی اور اُنھوں نے عزم فسخ کر دیا جب اُنکی
والدہ رحلت فرما گئیں تو بلخ پہنچے۔ قتیبہ اُنکے پہنچنے سے پہلے وفات پا چکے تھے
کسی جلیل القدر اُستاد کے فیض سے محروم رہ جانا اُن دنوں دنیائے اسلام میں ایک ایسی مصیبت

[1] (عیون ج ۱ ص ۲۲۲) [2] (ابن خ ص ۱۶۱) [3] (ابن خ ص ۲۹۳)

عظمی سمجھی جاتی تھی کہ لوگ ابو العباس کے پاس اُنکی محرومی کی تعزیت کرنے آتے تھے[1]
حافظ کبیر ابو نعیم کی کتاب الحلیہ کا پہلا نسخہ جب نیشاپور پہونچا تو وہاں اُسکی یہ قدر ہوئی کہ
چارسو اشرفی کو فروخت ہوا[2]۔

علامہ محدث ابن فطیس قرطبی کی کتابیں اُنکی وفات کے بعد بیچی گئیں تو چالیس
ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوئیں[3]۔

بیبیوں میں علم کا ذوق

جن کتابوں کی مدد سے ہم نے یہ اوراق مرتب کئے ہیں
وہ عورتوں کی تعلیمی حالات سے اور بھی خاموش ہیں۔
لیکن خوش قسمتی سے کچھہ واقعات متفرق ایسے ملے ہیں جو صاف کہہ رہے ہیں کہ ہماری
ترقی کے دور میں انسانی صنف نازک بھی ایک علمی شان و مرتبہ رکھتا تھا اور جو کمالات
اگلے مسلمان حاصل کرتے تھے اُنہیں اُنکی ماؤں اور بہنوں کی مدد غیر معتد بہ نہیں
ہوتی تھی امام حافظ ابن عساکر مورخ دمشق نے جن اساتذہ سے فن حدیث حاصل کیا
تھا اُن میں اسی سے زیادہ عورتیں تھیں[4]۔ حفید ابن زہر اشبیلیہ کے طبیب مشہور
کی بہن اور بھانجی طب اور معالجات کی عالمہ تھیں اور امراض نسائی کے معالجے میں بالخصوص
اُن کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ خلیفہ منصور (فرمانروائے اُندلس کے محلات کا علاج
اُن کے سپرد تھا اس بیان سے یہ سمجھنا چاہئے کہ جیسے عموماً گھر کی بڑی بوڑھیاں عورتوں
اور بچوں کے علاج کرلیا کرتی ہیں ایسی ہی ابن زہر کی بہن اور بھانجی بھی ہوں گی
مورخ ابن ابی اصیبعہ جو علاوہ ثقہ ہونے کے اعلی درجے کے طبیب بھی تھے

---

۱ (تذ ح ص ۲۱۳) ۲ (تذ ح ص ۲۹۳)
۳ (تذ ح ص ۲۶۲) ۴ (تذ ح ص ۱۲۳)

اپنی تاریخ میں اُن کی نسبت یہ الفاظ کہتے ہیں۔ وکانت اُخذتہ و ابنتہا ھذہ لاعالمتین بصناعۃ الطب والمداواۃ لاواد لہما حیس لاجیدا بما یتعلق بہا وامثال النساء۔ امام یزید بن ہارون کو آخر عمر میں ضعف بصارت نے کتاب بینی سے معذور کر دیا تھا۔ اُنکی جاریہ اس مصیبت میں اُن کے کام آتی اور وقت ضرورت کتابیں دیکھ کر اُن کے لئے حدیثیں یاد کر لیتی۔[1] ابن سماک کوفی نے (جو اپنے عہد میں مشہور عالم تھے) ایک مرتبہ تقریر کرنے کے بعد اپنی جاریہ سے پوچھا کہ میرا طرز بیان کیسا ہے۔ سخن شناس جاریہ نے کہا کہ تقریر تو اچھی ہے لیکن اتنا نقص ہے کہ تم ایک ہی بات کو بار بار کہتے ہو۔ ابن سماک نے "میں اعادہ کلام اس لئے کرتا ہوں کہ جو مخاطب اول مرتبہ نہ سمجھے ہوں وہ بھی سمجھ جائیں" جاریہ نے "جب تک کم فہم سمجھیں گے۔ سمجھنے والے مکدر ہو چکیں گے"[2][3] امام ابن جوزی کو اُنکے والدین تین برس کا چھوڑ کر رحلت کر گئے تھے باپ کے بعد یتیم بچے کی پرورش کی کفیل پھوپھی ہوئیں۔ ابن جوزی کی بہت چھوٹی عمر تھی کہ اُنکی پھوپھی اُن کو لے کر علما کے حلقہ درس میں جایا کرتی تھیں تاکہ بچپن سے ہی اُن کے کان علمی باتوں سے آشنا ہو جائیں۔ اس حفظ اوقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن جوزی دس برس کی عمر میں وعظ فرمانے لگے اور بڑے ہو کر دنیا کے ایک جلیل القدر امام ہو گئے۔[4] امام ربیعۃ الرائے (استاد امام مالک و خواجہ حسن بصری) کے والد فروخ خلافت بنی اُمیہ کے عہد میں لشکر میں ملازم تھے جس زمانے میں امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اُس وقت خراسان کو ایک لشکر خلیفہ دمشق کی جانب سے روانہ کیا گیا۔ اور فروخ کی خدمت اس لشکر کے سپرد ہوئی۔ وہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا

---

[1] (جید لشاں ج ص ۷۰) [2] (تذج ص ۲۹۲) [3] (ابن خ ص ۲۹۱)

[4] (تذج ص ۱۳۶-۱۳۷)

اور مسلمان فرمان روا ابر و بحر کو اسلامی پرچم کے نیچے لانے کا تہیہ کر رہے تھے۔ فروخ کو خراسانی مہم میں ستائیس برس لگ گئے۔ جب وہ لوٹے تو جس بچے کو ماں کے پیٹ میں چھوڑ گئے تھے وہ بڑا ہو کر امام وقت بن چکا تھا۔ قصّہ مختصر فروخ لوٹ کر اپنے وطن مدینہ منورہ کو آئے اور گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے اپنے گھر کے دروازے پر پہونچے اور نیزہ دروازے کو نیزے کی انی سے کھٹکھٹایا۔ ربیعہ نے جو کھٹکا سنا تو دروازہ کھولا اور باہر آئے۔ اگرچہ باپ نے بیٹے کو نہیں پہچانا مگر گھر انکا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی بے تکلف اندر جانے لگے۔ ربیعہ نے جو دیکھا کہ ایک اجنبی سوار اندر جانا چاہتا ہے تو ان کو وحشت ہوئی اور للکار کر کہا کہ یا عدو اللہ تو میرے مکان میں کس طرح گھسا پڑتا ہے۔ سپاہی منش فروخ کو جنگی رگوں میں فتح کا جوش تازہ تھا یہ سنکر طیش آیا اور کہا کہ خدا کے دشمن میرے حرم سرا میں تیرا کیا کام۔ غرض بات بڑھی اور خدائی بیچ پڑوسی جمع ہو گئے امام مالک صاحب بھی استاد کا معاملہ سمجھکر تشریف لے آئے اور مصلحانہ لہجے میں فروخ سے کہا کہ بڑے میاں آپ کو ٹھہرنا ہی مقصود ہے تو دوسرا مکان موجود ہے۔ امام صاحب کی نرمی نے فروخ کے دل پر اثر کیا اور کہا کہ جناب میرا نام فروخ ہے اور یہ مکان میرا ہے۔ ربیعہ کی والدہ نے نام سنکر پہچانا اور کہا کہ یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔ اب تو باپ بیٹے گلے ملے اور ملکر خوب روئے۔ دلوں کی حرارت جب رونے سے کم ہوئی تو دونوں گھر میں آئے اندر آ کر پھر جوش محبت میں صاف دل باپ نے بی بی سے پوچھا کہ میرا ہی بیٹا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ فروخ جب اطمینان سے بیٹھ لئے تو اون کو وہ تیس ہزار اشرفیاں یاد آئیں جو چلتے وقت بی بی کو دے گئے تھے اور اون کی نسبت استفسار کیا۔ زیرک بی بی نے کہا کہ گھبرائیے نہیں حفاظت سے رکھی ہوں۔ ربیعۃ الرائے اس عرصے میں مسجد نبوی میں جا

جاکر اپنے حلقۂ درس میں متمکن ہوئے جس میں امام مالک اور خواجہ حسن بصری جیسے اعیان شامل تھے تلامذہ کا یہ ہجوم تھا کہ چاروں طرف سے شیخ کو گھیرے ہوئے تھے۔ فروخ جو نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو وہاں یہ عالم دیکھا اور دیر تک شوق اوس مجمع کو دیکھتے رہے۔ ربیعہ اوس وقت سر جھکائے تھے اور سر پر اونچی ٹوپی تھی۔ اس لئے باپ کو ایک دفعہ بیٹے کے پہچاننے میں دقت ہوئی اور انھوں نے متعجب ہوکر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے۔ سامعین نے جواب دیا کہ ربیعہ ابن عبد الرحمن فروخ کے۔ اوس وقت کی مسرت کا اندازہ سوائے عالم الغیب کے کون کرسکتا ہے۔ فرط مسرت میں اون کی زبان سے بے اختیار نکلا لقد رفع اللہ ابنی۔ جب خوش خوش گھر آئے تو بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ بی بی نے کہا کہ آپ کو کیا زیادہ پسند ہے۔ بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں شوہر نے کہا کہ واللہ میں اس شان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بی بی نے کہا کہ وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کردیں۔ زندہ دل شوہر۔ واللہ ما ضیعتہا (قسم رب کی تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا) اس زمانے میں یہ امر قابل غور ہے کہ ایک بچہ باپ کی شفقت سے محروم ہوکر ماں کی حفاظت میں رہے اور ماں کے قبضہ میں تیس ہزار اشرفیاں ہوں۔ پھر اُس بچے کو ایسی بیش بہا تعلیم دیجائے کہ اوس کے شاگرد دنیا کے نامآور امام ہوں۔ بے شک یہ اس عہد کی عورتوں کے عقل اور علم دوستی کی دلیل ہے۔ ہمارے ملک میں اگر چودہویں صدی کی کسی ماں کے اختیار میں تیس ہزار اشرفیاں اور ایک بچہ دیدیا جائے تو معلوم نہیں بلند اقبال صاحبزادے کے اقبال کہاں تک ترقی کریں۔[1]

[1] (ابن خ ص ۱۸۳)

عربی کے ریاضیات میں شرح چغمینی جس پائے کی کتاب ہے اس سے ہر ایک مشرقی طالب علم واقف ہے لیکن یہ بات بہت کم معلوم ہوگی کہ اگر قاضی زادہ رومی کی علم دوست بہن اپنے بھائی کی مدد نہ کرتیں تو ہمارے کتب خانے میں اس مشہور کتاب سے محروم رہتے۔ شارح چغمینی نے ابتدائے علوم کی تحصیل اپنے وطن روم میں کی تھی جب یہ اندازہ ہو گیا کہ کمال کا شہرہ انہوں نے سنا تو خراسان کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوا اور چپکے چپکے سامان سفر کرنے لگے۔ ان کی بہن اپنی ہوشیاری سے بھائی کے ارادہ کو پا گئیں اور بجائے اس کے کہ وہ بیٹھ کر گھر کو نہ جانے دیں اپنا بہت سا زیور بھائی کے سامان سفر میں چھپا چھپا کر رکھ دیا تاکہ مسافرت میں خرچ کی طرف سے پریشانی نہ ہو بہن کے اس عزیز توشے سے جو نفع دیا ہوگا اس کا اندازہ علامہ بھائی کے دل سے کوئی پوچھتا۔[1] ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ امام بخاری نے جب چودہ برس کے سن میں علم حاصل کرنے کے لئے سفر شروع کیا تھا۔ تو ان کی والدہ اور خواہر نگرانی کی تکفل تھیں

امرا میں علم کا ذوق

ہم اس عنوان میں صرف وہ چند مثالیں بیان کریں گے مثالوں کی قلت کسی کے ذہن میں واقعات کی قلت کا شبہ نہ پیدا کرے۔ ابتدائی ہجری صدیوں میں مسلمان امرا عالم ہونے کی حیثیت سے علما کے پہلو بہ پہلو رہے ہیں۔ بنی موسیٰ اور سیف الدولہ کے فضل و کمال سے کون واقف نہیں۔ مگر چونکہ ہم دوسری وادی میں ہیں اس لئے انہیں مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ استاد ابن عمید وزیر آل بویہ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ میں اس خیال باطل میں تھا کہ وزارت و ریاست سے زیادہ پر لطف کوئی چیز دنیا میں نہیں۔ مگر جب

[1] (شقائق ج ۱ ص ۱۷)

تنے سلیمان ابن ایوب طبرانی اور جعابی کا مناظرہ سنا تو اس لطف کو بھول گیا۔ اس
مناظرے میں طبرانی قوت حافظہ سے غالب رہتے اور جعابی جودت ذہن کی مدد سے اپنے
اپنے حریف پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انکی آوازوں میں
بلندی پیدا ہونے لگی۔ ایک بار ابوبکر ابن جعابی نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی
حدیث ہے جو سارے عالم میں کسی کے پاس نہیں۔ طبرانی نے "بسم اللہ سنائیے" جعابی نے سلسلۂ روایت
شروع کیا۔ ابو خلیفہ نا سلیمان ابن ایوب طبرانی نے "سلیمان ابن ایوب میرا ہی نام ہے۔ اور ابو خلیفہ
نے یہ حدیث مجھی سے حاصل کی تھی۔ اب تم مجھ سے اسکی سند عالی حاصل کرو۔ جعابی یہ سنکر دم بخود رہ گئے۔ مجھکو
طبرانی کے اس وقت کی فرحت دیکھکر یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں طبرانی ہوتا کہ یہ لطیف فرحت نصیب ہوتا۔[1] ایسے ہی شغل صاحب
ابن عباد فخر الدولہ کے وزیر تھے ایک موقع پر امیر بخارا نوح سامانی نے انہیں اپنے وزارت کے
لئے اون کو پروانہ طلب کیا۔ ابن عباد نے ضعیفہ نہ آسکنے کے جو عذر لکھے ان میں یہ بھی
تھا کہ صرف میری کتابوں کے اٹھانے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وزیر
ممدوح کے ہمراہ ہر سفر میں اتنی ادب کی کتابیں رہتی تھیں کہ ان کے اٹھانے کے لئے تین
اونٹ درکار ہوتے تھے۔[2]

علامہ موفق الدین بغدادی ایک بار قاضی فاضل سے ملنے گئے جو سلطان صلاح الدین
کے سب سے زیادہ مقرب امیر تھے۔ جب یہ انکی خدمت میں پہنچے تو ان کو اس حال
میں پایا کہ خود لکھ رہے تھے اور دو کاتبوں کو مضمون بتلاتے جاتے تھے۔ جب یہ پہنچے
تو ان سے بہت سے علمی نازک سوال کئے مگر لکھنا اور مضمون بتلانا برابر جاری رہا۔ علامہ
ممدوح بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص سراپا قلب و دماغ معلوم ہوتا تھا۔ دوران تحریر میں اون کے
لب اور چہرے سے جو رنگ رنگ کے حرکات ہو پیدا ہوتے تھے وہ صاف کہہ رہے تھے

1. (تذکرۃ ص ۱۲۹) 2. (ابن خلکان ص ۷۶-۳۳۴)

کہ کس قدر ولولہ اُن کی طبیعت مین مضمون آفرینی کا تھا۔[1]

عنوان دوم

حق پسندی و راست گوئی

جس پاک گروہ کو ہم نے مدارس مین سرگرم طلب علم چھوڑا تھا اب اُس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ مکتب و مدرسہ سے باہر آکر اون کے اخلاق اور اُنکی طرز معاشرت کیسی تھی - اسکے علاوہ اس کے کہ علما کے مزید حالات معلوم ہون ہماری گزشتہ تعلیم کی نسبت یہ راے قائم ہوسکے گی کہ وہ کس ڈہنگ کے انسان پیدا کرتی تھی عنوان ہذا مین ہم اخلاق انسانی کی سب سے اعلی اور افضل صفت کو اپنا موضوع قرار دیتے ہین وہ کیا - حق پسندی اور راست گوئی دنیا مین شاید کوئی انسان ہوگا جو اس امر کا مدعی نہ ہو کہ وہ حق اور راستبازی پر دل و جان سے شیدا ہے لیکن عمل (جو قول کی کسوٹی ہے) صاف کھرے اور کھوٹے کی حقیقت کھول دیتا ہے - اور حق یہ ہے کہ حق پسندی جتنی بے بہا صفت ہے اوسیقدر دشوار اور معرکہ خیز ہے - وہ شخص بے شک حق پرست ہوسکتا ہے جو زبردست کے خوف منفعت کی امید اور عزیزون کی محبت کو حق پر سے نثار کردے یا بالفاظ دیگر سواے حق کے اوسی کو کسی سے کچھہ سروکار نہ ہو - کیا فرمایا تھا حضرت خیر البشر صلعم نے اپنے صحابی جناب عمر کی نسبت ترکہ الحق وما لہ من صدیق - یعنے حق گوئی نے عمر رض کو بے یار کرکے چھوڑا مگر ایسے دنیا مین بہت کم ہوئے ہین خداوند تعالی جن ولون کو اس قدر بے لوث فرما دیتا ہے

[1] (عیون ج ص ۲۰۵)

کہ وہ بیخبر حق کے سبب سے بیگانہ ہو جاتے ہیں وہ البتہ اس عالی رتبہ کو حاصل کر سکتے ہیں ۔ ایک سچ کے خاطر زبردست سے زبردست فائدے سے بے پروا اور عزیزوں سے نا آشنا رہنا بیحد مشکل ہے اور غالباً کسی آدمی کی حق پرستی کے امتحان کے لیے ان حالتوں سے زیادہ عمدہ معیار ہاتھ آنا ناممکن ہے ۔ لہذا ہم علمائے سلف کی حق پسندی انھیں تینوں حق کے دشمنوں کے مقابلے میں ثابت کرینگے ورنہ وعظ اور تصنیف یہہ دونوں تو بڑے دلکشا میدان حق کے ہیں ۔

حق پسندی بمقابلہ حکام

نفس حکام میں جس قدر جبروت اور قہاری اگلی تاریخ میں نظر آتی ہے اسکی نظیر آجکل کے آئینی عہد میں ملنی ناممکن ہے جس سلطنت کے زیر سایہ ہم رہتے ہیں وہ تو ایسی امن دوست اور رفاہ پسند ہے کہ ان عیب صفات کا کوئی شمہ ان ممالک میں نہیں پایا جاتا والحمد للہ علے ذالک مگر سارے عالم کے مختبر اخبار بھی ہمکو زمانہ حال میں کوئی ایسا فرمانروا نہیں بتلاتے جس کے دربار میں حجاج ابن یوسف یا تیمور کی ہیبت کا نشان مل سکے ۔ پس جب ہم اس دور عافیت میں حق پسند کا قحط پاتے ہیں تو اگلے زمانہ میں اس صفت کو بہت ہی عنقا ہونا چاہیے تھا ۔ لیکن واقعات اس کے خلاف ثابت کرنے کو آمادہ ہیں ۔ ان واقعات کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگوں نے اگلے جلاد بادشاہوں کے عہد میں حق کو نباہا انھوں نے بڑا کام کیا ۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے حجاج کو خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضب آلود ہو کر یہ فرمانے لگے ۔ خدا کا دشمن یا خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کر لیا خدا کے گھر کو خراب کیا اور خدا کے دوستوں کو قتل ۔ حجاج نے جو اپنی نسبت یہ سخت کلمے

سُنکر پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے کہا عبد اللہ ابن عمر۔ اتنا سُنکر وہ سفاک آپ کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ بڑے میاں اب تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں ہیں۔ آج منبر سے اُترا تو دل میں بخار بھرا ہوا تھا اپنے ایک ملازم کو ایما کیا اور اُس نے ایک زہر میں بجھا ہوا حربہ حضرت ابن عمر کے پاؤں پر مار دیا۔ اسی ہتھیار کی سمیت آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ مزید عنایت دیکھیے کہ جو مرض خود پیدا کیا تھا اُس کی عیادت کو آیا۔ مگر حضرت عبد اللہ نے نہ اُسکے سلام کا جواب دیا نہ کلام کا۔ جو واقعہ ہم آگے بیان کرتے ہیں وہ استقلال اور ثابت قدمی کی ایک بے نظیر مثال پیش کرتا ہے۔ اور اوس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق پرستی اُن بزرگون کے دل ایسے مضبوط کر دیتی تھی کہ موت اُن کے سامنے کھڑی ہوتی اور وہ بے پروائی سے ہنستے۔ اور جلاد کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ اُن کے واسطے کوئی خوفناک چیز ثابت نہ ہوتی۔ ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن جبیر سے دولت بنی اُمیّہ مخالف ہوگئی تھی اور یہ بچتے پھرتے تھے۔ مگر ایسی زبردست سلطنت کے پنجے سے بچنا ناممکن تھا۔ والی مکہ نے ایک موقع پر ان کو پکڑ کر حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اُس کی جفا جو طبیعت کو گویا ایک ضیافت ہاتھ لگی۔ جب یہ پیش ہوئی تو اُس نے ان کا نام پوچھا اُنھون نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر۔ حجاج اُس وقت اس قدر طیش میں تھا کہ اُن اُنکے نام کے اچھے الفاظ بھی تلخ معلوم ہوئے۔ اور اُن سے جوش غضب میں کہا کہ انت شقی بن کسیر[1] سعید۔ میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حجاج اور بگڑا اور کہا کہ شقیت امك وشقیت انت یعنی تمہاری والدہ بھی بدبخت تھیں اور تم بھی بدبخت۔ سعید۔ غیب کا جاننے والا تیرے سوا اور ہے۔ حجاج (جلکر) دیکھو تو میں تم کو دنیا کے بدلے میں کیسی لپٹین مارتی

[1] (تذکرہ ص ۳۲)

بہلی آگ دیتا ہوں سعید- اگر میں یہ جانتا کہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تجھکو اپنا معبود بنا لیتا۔ اب حجاج نے (جو اُن کے قتل کے لئے بہانہ ڈھونڈ رہا تھا) اُن سے مذہبی سوال شروع کئے جو پولیٹکل پہلو لئے ہوئے تھے۔ اور پوچھا کہ آنحضرت کی نسبت تمہارا کیا قول ہے۔ سعید۔ نبی رحمت اور امام ہدی تھے۔ حجاج خلفا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ سعید۔ لستُ علیهم بوکیل (میں ان کا قاضی نہیں) حجاج۔ اُن میں کون سب سے بہتر تھا۔ سعید۔ ارضاهم لخالقی جو میرے مالک کی مرضی کا سب سے زیادہ پابند تھا۔ حجاج۔ کون سب سے زیادہ رضا جو تھا۔ سعید۔ علمُ ذالک عند الذی یعلم سرّهم ونجواهم۔ (اس کو وہ خوب جانتا ہے جو ان کے بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے) غرض عرصے تک اس قسم کے سوال جواب رہے مگر حضرت ابن جبیر نے کوئی موقع گرفت کا نہیں پیدا ہونے دیا۔ اور اپنے صاف صاف مگر بچے تلے جوابوں سے حجاج کی بہتی برابر بڑھاتے گئے۔ آخر اوس نے جھنپا کر کہا کہ اختر یا سعیدُ ای قتلة اقتلک (اے سعید بتاؤ میں کس شکل سے تم کو قتل کروں) سعید۔ اختر یا حجاج لنفسک فوالله لا تقتلنی قتلة الا قتلک الله مثلها (اے حجاج تو خود ہی پسند کر لے قسم رب کی جس طرح تو مجکو قتل کرے گا اسی طرح خدا تجکو قتل کرے گا) حجاج۔ کیا میں معاف کر دوں۔ سعید۔ اگر عفو ہو تو خدا کی طرف سے ہو۔ رہا تو پس تو نہ کسیکو بری کر سکتا ہے نہ کسی کو عذر قبول۔ اتنی بحث کے بعد حجاج نے آخری حکم دیدیا اور جلاد حضرت جبیر کو باہر لائے۔ حجاج تو اپنی انتقامی طاقت صرف کر چکا تھا لیکن خدا کے سعید بندے کو ابھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ جب باہر آئے تو ہنسے۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اُس نے پھر بلایا اور ہنسی کی وجہ دریافت کی۔ ابن جبیر نے

فرمایا عجبت من جرأتك على الله وحلم الله عليك (مجکو خدا کے مقابلے مین تیری جرارت پر اور تیری نسبت خدا کے حلم پر تعجب ہوا - حجاج اس گرم فقرے کو سُنکر اور بھڑکا اور جلادون سے کہا کہ میرے سامنے گردن مارو - اب ابن جُبیر شہادت کے لئے مستعد ہوگئے اور قبلہ رو ہوکر فرمایا وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين - حجاج - ان کا منہ قبلے سے پھیر دو سعید - اينما تولوا فثم وجه الله (جدہر تم پھیر دوگے اُسی طرف خدا کا منہ ہے) حجاج - اوندہا ڈال دو - سعید - منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى - ہم نے اُسی سے (یعنی زمین سے) تمکو پیدا کیا اور اوسی مین تمکو لوٹا دینگے اور اوسی سے ایک دفعہ تم کو پھر نکالینگے) حجاج نے اونکی سیف زبانی سے تنگ ہوکر جلادون کو اشارہ کیا کہ جلد اپنا کام کرو - سعید - سُن لے مین اسکی شہادت دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہین - وہ اکیلا ہے اور کوئی اُس کا شریک نہین - اور اس بات کی شہادت دیتا ہون کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہین - میری جان تو لے جب تو میدان حشر مین مجکو ملے گا تو مین تجھے لے لونگا حضرت ابن جبیر کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ جلاد کا ہاتھ اُٹھا اور اُن کا سر تن سے جُدا ہوگیا - انا لله وانا اليه راجعون ؏ بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن ۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را ۔ بعد قتل اُن کے جسم سے خلاف معمول خون بہت نکلا جس سے حجاج کو سخت حیرت ہوئی اور اُس نے اپنے طبیب خاص تیا ذوق سے اس کی وجہ دریافت کی تیا ذوق نے کہا کہ چونکہ اُن کی خاطر بالکل مطمئن تھی اور قتل کا خوف قطعاً اُن کے دل مین نہ تھا اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قایم رہا - بخلاف اور مقتولون کے کہ اُن کا ہیبت کے مارے پہلے ہی خشک ہوجاتا ہے

؏ مین نے اپنا منہ کیا اُسی کی طرف جس نے بنائے آسمان زمین ایک طرف کا ہو کر اور مین نہین شریک کرنے والا - ۱۲

علاوہ اس طبعی شہادت کے حضرت ابن جبیرؓ کے کلام کی برجستگی صاف کہہ رہی ہے کہ اُنکی طبیعت بالکل آسودہ اور آرمیدہ تھی اور اضطراب کا نام بھی اُن کے قلب میں نہ تھا۔ یہ شعبان ۹۵ھ کا واقعہ ہے۔ رمضان سنہ مذکور میں حجاج بھی راہی عدم ہو گیا اور دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند۔ انہیں کے ہمنام اور ہمعصر دوسرے تابعی حضرت سعید ابن المسیب کا ذکر ابن السائب کرتے ہیں کہ ایک روز وہ اور میں دونوں بازار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ دمشق کا پیغامبر نامہ بر گذرا ابن المسیب نے اُس سے پوچھا کہ تم امیر یزید (بنی مروان کے) برید ہو۔ برید جی ہاں۔ ابن المسیب۔ تم نے اُن کو کس حال میں چھوڑا برید۔ بخیر۔ ابن المسیب۔ نہیں بلکہ تم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آدمیوں کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ برید یہ سنکر بگڑ گیا اور آنکھیں نکال کر اُنکی طرف دیکھنے لگا۔ ابن السائب کہتے ہیں کہ میں دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے برید۔ دیر تک تیور بدلے کھڑا رہا مگر پھر کچھ سوچ کر چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا کہ ابن المسیب خدا آپکو نیکی دے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ آنحضرت نے فرمایا بیوقوف چپ رہ جب تک میں حق پر قائم ہوں واللہ خدا مجھکو دشمنوں کے قبضہ میں نہ دیگا۔ ایک دفعہ تیس ہزار درہم دولت مذکور کی طرف سے اُنکی خدمت میں پیش کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ نہ مجھکو بنی امیہ کی پروا ہے نہ اُن کے مال و دولت کی۔ میں خدا کے سامنے جاؤنگا اور وہ میرا اور اُن کا انصاف کریگا۔ انہیں حق گوئیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے جاڑے کے موسم میں اُن کو ٹھنڈا کر سر پانی ڈلوایا اور ایک دوسرے موقع پر پچاس درّے لگوا کر بازار میں تشہیر کرائی[1]۔ عمر ابن ہبیرہ جب خلیفہ دمشق یزید ابن عبدالملک کی جانب سے والی عراق و خراسان مقرر ہو کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری امام ابن سیرین اور امام شعبی کو طلب کیا اور اُن کے

۱ (ابن ج ۱ ص ۲۰۵ دمیون ج ۱ ص ۱۲۳) ۲ (ابن ج ۱ ص ۲۰۷)

سامنے یہ مدبرانہ تقریر کی۔ یزید ابن عبدالملک کو خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر کیا ہی اور اون سے اوس کی طاعت کا عہد لیا ہی اور ہم سے (یعنے ملازموں سے) اُس کے حکم کے سُننے اور بجالانے کا۔ مجکو جو عہدۂ خلافت کی طرف سے عطا ہوا ہے وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ خلیفہ کی جانب سے ایک حکم مجکو ملتا ہی اور میں اوس کی بے تامل تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ خواجہ بصری نے اس پولیٹیکل گفتگو کا جواب جن صاف اور سچے الفاظ میں دیا وہ قابل شنید ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اسے ابن ہبیرہ! یزید کے معاملے میں خدا تعالیٰ سے ڈر اور خدا تعالیٰ کے معاملے میں یزید کا خوف مت کر۔ خدا تعالیٰ تجھے یزید کے شر کو دفع کر سکتا ہے مگر یزید اُس احکم الحاکمین کے قہر کو نہیں روک سکتا۔ وہ وقت بہت دور نہیں ہی کہ خداوند عالم تیرے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجیگا۔ جو تجکو تیسا ندار تخت اور وسیع محل سے علیحدہ کر کے تنگ قبر میں پہونچا دیگا۔ وہاں سوائے تیرے اعمال کے کوئی تجکو نجات نہیں دلوانے کا۔ اے ابن ہبیرہ! اگر تو خدا کا گناہ کرے تو خوب سمجھ لے کہ خلیفہ کو اُس نے اپنے دین کا اور اپنے بندوں کا محافظ اور ناصر مقرر کیا ہی پس خدا کے دین کے خلاف اُس کے مقرر کئے ہوئے حاکم کی وجہ سے جسارت مت کر کیونکہ خالق اکبر کے مقابلے میں مخلوق کا حکم ماننا کسی طرح روا نہیں[1]۔ اسی یزید ابن ہبیرہ نے امام اعظم کو ایک دفعہ طلب کر کے اپنے عہدۂ قضا قبول کرنے کے واسطے کہا۔ امام صاحب چونکہ یہ بار اپنے ذمے لینا نہیں چاہتے تھے لہذا انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ اس انکار سے بگڑ گیا اور گیارہ روز تک دس درے روزانہ اُن کے لگوائے۔ تاہم اُس کا اصرار اُن کے انکار پر غالب نہ آسکا۔ اسی عہدۂ قضا کی بدولت امام ابوحنیفہ کے مقدر میں اور سختی لکھی تھی۔ جب منصور بغداد کا خلیفہ ہوا تو اُس کی نظر بھی اس منصب کے لئے امام ممدوح پر ٹھہری۔ چنانچہ اُن کو کوفے سے طلب کیا اور عہدۂ مذکور کے قبول کرنے کی فرمائش

[1] ابن خلکان ج ص ۱۲۰)

کی۔ امام صاحب اب بھی اپنی رائے پر سختی سے قائم تھے لہذا خلیفہ کی فرمائش قبول کرنے سے عذر کیا منصور نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم کو قاضی مقرر کروں گا۔ انھوں نے جواباً بالقسم فرمایا کہ میں اس عہدے کو منظور نہیں کروں گا۔ خلیفہ نے دوبارہ قسم کھائی۔ انھوں نے مکرر قسمیہ انکار کیا اور اپنے انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ میں اپنے آپ کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ حاجب بن ربیع نے (جو دربار میں حاضر تھا) خلیفہ کی خوشنودی کی راہ سے کہا کہ امیر المومنین قسم کھا چکے ہیں پھر بھی تم انکار کئے جاتے ہو۔ امام نقہ نے فرمایا کہ امیر المومنین کے لئے کفارۂ قسم ادا کر دینا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ خلیفہ جب اُن کی رائے کو کسی طرح تبدیل نہ کر سکا تو اُس نے خود اُن کو قید خانے بھیج دیا۔ اور حالت محبوسی میں سنہ ۱۵۰ھ میں اس عالم کے امام نے وفات پائی۔ ان دونوں واقعوں کے ساتھ ایک تیسرا واقعہ اور ملا لیجئے جس سے امتیاز مراتب کا نکتہ حل ہوگا۔ ایک زمانے میں حاکم کوفہ نے یہ حکم دیدیا تھا کہ ابو حنیفہ فتویٰ نہ دیا کریں۔ چنانچہ امام صاحب نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا۔ انہیں روز دن کا ذکر ہے کہ ایک دن امام ممدوح گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ بی بی اور بیٹے پاس تھے۔ اسی اثنا میں اُن کی صاحبزادی نے روزے کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا! یہ مسئلہ اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو مجھکو حاکم کی طرف سے فتویٰ دینے کی ممانعت ہے۔ اس لئے میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ کیا اس سے بڑھکر حق پرستی ہوسکتی ہے۔ عہدۂ قضا قبول نہ کرنا اپنے نفس کا حق تھا جس کو انھوں نے حاکم اور خلیفہ کے مقابلے میں بر سر دربار نہیں چھوڑا۔ اور فتویٰ نہ دینا حاکم کا حق تھا جس کو انھوں نے خلوت اور گھر کی چار دیواری کے اندر بھی ملحوظ رکھا۔ امام یزید ابن حبیب تابعی ایک فقیہ جلیل تھے ابن سہیل والی مصر اُنکی عیادت کو آیا۔ اثنائے کلام میں اُس نے پوچھا کہ جس کپڑے پر پھر کا خون لگا ہو اُس سے نماز جائز ہے یا نہیں۔ امام ممدوح نے یہ سنکر غصے سے منہ پھیر لیا اور

۱؎ (ابن خ ج ص ۱۶۴ و ۲۳ و ۲۲ او خ ص ۴۵۲)

کچھہ نہین کہا۔ جب امیر مذکور نے چلنے کا قصد کیا تو اوس کو نظر بھر کر دیکھا اور کہا کہ تو روزانہ تو خدا کے بندون کا خون بہاتا ہی اور مچھرون کے خون کا فتوی پوچھنے چلا ہی! خلیفہ دمشق ہشام ابن عبد الملک نے اپنا ایک معتمد امام اعمش کوفے کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اُن سے حضرت عثمانؓ کی خوبیان اور حضرت علی کی برائیان لکھوا لائے۔ جب ایلچی اُنکی خدمت مین پونچا اور خلیفہ کا نسقہ اُن کو دیا تو اُنھون نے اُس کو پڑھا اور پڑھکر ایک بکری کے مُنہ مین دیدیا بکری اوس کو چبا چکی تو معتمد خلافت سے فرمایا کہ اپنے آقا سے کہدینا کہ اُن کے پروانے کا یہی جواب ہی۔ قاصد کو حکم تھا کہ جواب تحریری لائے لہذا اُس نے منت کی کہ جو کچھہ جواب ہو لکھدیجئے۔ اُس کے اصرار سے تنگ آکر اُنھون نے یہہ جواب لکھدیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم امّا بعد فیا امیر المومنین لو کان لعثمان رضی اللہ عنہ مناقب اهل الارض ما نفعتك ولو كانت لعلی رضی اللہ عنہ مساوی اهل الارض ما ضرّتك فعليك بخويصّة نفسك والسّلام[2] یعنی اے امیر المومنین اگر حضرت عثمانؓ مین سارے جہان کی خوبیان تھین تو اُن سے تمکو کچھہ نفع نہین اور اگر حضرت علیؓ مین دنیا بھر کی برائیان تھین تو تمھارا کچھہ نقصان نہین۔ پس تم خاص کر اپنے نفس کی خبر لو۔ والسّلام

ابو جعفر منصور خلیفہ بغداد نے ایک بار امام مالک اور امام عبد اللہ ابن طاوس کو اپنے پاس بلایا اور اثنای ملاقات مین ابن طاوس سے کہا کہ اپنے والد کوئی حدیث روایت کرو۔ اس فرمایش سے ابن طاوس کے ہاتھہ اس امر کا گویا موقع لگا کہ وہ خلیفہ کو اُسکی بے اعتدالیون اور سختی پر تنبیہ کرین۔ اور اُنھون نے یہ حدیث انتخاب کر کے سُنائی حدثنی انّ اشدّ الناس عذابا يوم القيامة رجل اشركه الله تعالى فی سلطانه فادخل عليه الجور۔ یعنی میرے والد نے مجھسے یہ حدیث روایت کی ہی کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اوس کو ہوگا جس کو خدا تعالی

[1] (تذکرہ ج ۱ ص ۱۱۶) [2] (ابن خ ص ۲۱۳)۔

اپنی حکومت میں شرکت دے اور پھر وہ ظالمانہ حکومت کرے۔ منصور سے تمہارا فرمان روا کے سامنے
اور یہ جرأت۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مجکو ابن طاؤس کے قتل کا پورا یقین ہو گیا اور میں نے اپنے
دامن سمیٹ لیے کہ مبادا اُن کے خون کی چھینٹیں میرے کپڑوں پر پڑیں۔ خلیفہ دیر تک ساکت
رہا۔ غصے کے بعد نگاہ اُٹھائی اور اون سے ایک اور سوال کیا۔ ابن طاؤس کے قلب پر اب تک بھی خلیفہ
کا رعب غالب نہیں آیا تھا۔ اس سوال کا جواب بھی پوری آزادی سے دیا۔ خلیفہ نے تنگ آکر کہا
قُوما عنّی یعنی میرے پاس سے دونوں اُٹھ جاؤ۔ ابن طاؤس نے فرمایا ذالک ما کنا نبغی یہ تو
ہماری عین مراد ہے اور یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس روز سے میں ابن طاؤس
کے فضل کو مان گیا ہوں[1] فقہ کے چار امام جن کی امامت آج تک چار دانگ عالم میں مسلم ہے اور کروڑوں
نفوس انسانی پر اُنکی روحانی سلطنت صدہا برس قائم ہے انہیں سے امام ابو حنیفہ کا حال آپ سُن چکے
امام مالک کے ایک دفعہ ستر درّے اس وجہ سے مارے گئے کہ کسی مسائلے میں حق کا اور حکومت کا مقابلہ تھا
اور اُنھوں نے فتویٰ دینے میں حق کی رعایت کی تھی[2] یہی سلوک امام احمد ابن حنبل کے ساتھ خلیفہ مامون
الرشید کی خلافت میں عقائد کے ایک مسائلے کے اختلاف کی وجہ سے کیا گیا[3]۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ
خلیفہ منصور کے چہرے پر مکھی بیٹھی اُسنے اڑا دی۔ مکھی حسب عادت پھر آن بیٹھی۔ خلیفہ نے پھر اڑا دی
غرض کئی دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ آخر خلیفہ نے جھلا کر ابن سلیمان مشہور مفتی سے پوچھا کہ مکھی پیدا کرنے
کی خدا کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ اُس عالم ربانی نے فرمایا کہ متکبروں کا غرور توڑنے کے لیے پیدا کی ہے[4]
خلافت عباسیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی اور خاندان بنی اُمیّہ کے نیست و نابود کرنے اور ملک سے اُن کا
اثر مٹانے کی کوششیں بڑی بیدردی اور سفاکی سے عمل میں آرہی تھیں کہ اسی اثنا میں عبد اللہ
ابن علی خلیفہ سفاح کے چچا شام کے حاکم مقرر ہوئے۔ امیر مذکور نے وہاں پہونچکر اول تو خلافت

[1] (ابن خ ص ۲۳۳) [2] (ابن خ ص ۲۳۹) [3] (ابن خ ص ۱۲۴) [4] (ابن خ ص ۱۱۲)

بقیہ دعویداروں کی پوری طور پر صفائی کی اُس کے بعد ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جس میں جاہ و جلال کا اظہار انتہا کو پہونچایا گیا تھا - چار جنگی صفیں ایوان دربار میں قائم تھیں جو مختلف مہیب ہتھیاروں سے مسلح تھیں - ان صفوں کے بیچ میں تخت امارت نصب تھا - جب امیر نے دربار میں آکر جلوس کیا تو شام کے مقتدی امام اوزاعی طلب کیے گئے - امام ممدوح جس وقت دارالامارۃ کے دروازے پر پہنچے تو گھوڑے پر سے اُتار لیے گئے اور دو آدمیوں نے اُن کے بازو پکڑ کر تخت کے اتنا قریب لا کھڑا کیا کہ امیر خود اُن سے کلام کر سکے - امیر نے ان کو دیکھکر کہا کہ تمہارا نام عبدالرحمن ہے - اور امام اوزاعی - جی ہاں - خدا امیر کو صلاحیت دے - امیر - بنی اُمیہ کی خونریزی کی نسبت تمہاری کیا رای ہے - امام - تمہارے اور اُن کے مابین چونکہ عہد تھا اس لیے تم کو لازم تھا کہ عہد و پیمان کی رعایت کرتے اور عہد شکنی نہ کرتے - امیر - (بگڑکر) یہ ہم جانیں اور وہ جانیں ہم میں باہم کوئی عہد نہ تھا - امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ امیر کے تیور بچہرے دیکھکر میرے قلب پر بیکسی کی سی حالت طاری ہوئی اور جان کا خوف معلوم ہونے لگا - اُسی وقت مجکو خیال آیا کہ عبدالرحمن! ایک دن اس سے بھی بڑے حاکم کے حضور میں حاضر ہونا ہے - اس خیال کے آتے ہی میرے دل کا اضطراب جاتا رہا اور قوت سی پیدا ہو گئی اور میں نے صاف صاف امیر سے کہا کہ بیشک اُن کا خون تم پر حرام تھا - اس زوردار فقرہ کو سُنکر امیر طیش کے مارے تھرا گیا جوش خون سے آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور رگیں اُبھر آئیں - اسی غضب کی حالت میں کہنے لگا کہ ویحک[1] اللہ یہ تم نے کس طرح کہا - امام - اس طرح کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مرد مسلمان کا قتل روا نہیں جب تک کہ ان تین حالتوں میں سے ایک حالت پیش نہ آئے یا تو وہ اس حال میں زنا کرے کہ اُسکی شادی ہو چکی ہو - یا قاتل ہو - یا مرتد ہو جائے امیر - کیوں

[1] خدا تم پر رحم کرے ۱۲

کیا ہماری حکومت دینی نہیں (گویا اسکا یہ مطلب تھا کہ چونکہ ہماری خلافت ازروی دین ثابت ہی لہذا اُسکا مخالف تارک دین ہوا) امام تمہاری حکومت دینی کیونکر ہوسکتی ہے۔ امیر۔ کیا آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کے لئے وصیت نہیں فرمائی۔ امام۔ اگر حضرت علی کے لئے وصیت ثابت ہوتی تو دونوں حکم حکم نہ دیتے۔ امیر کے پاس چونکہ اس کا جواب کچھ نہ تھا اس لئے خاموش تو ہو گیا مگر شدت اشتعال کے سبب سے ہانپتے غضب معلوم ہوتا تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ امیر کی خاموشی نے مجکو یقین دلادیا کہ کوئی دم میں میرا سر قدموں پہ آتا ہی۔ تھوڑے عرصے کے بعد خلاف توقع امیر نے ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ امام دربار سے باہر کردئے جائیں۔ چنانچہ یہ وہاں سے تشریف لے آئے۔ دار الامارۃ سے کچھ دور نکلے تھے کہ ایک سوار ان کی طرف تیز آتا ہوا نظر پڑا سوار کو دیکھکر جان کا خوف امام اوزاعی کو اول سے بھی زیادہ ہوا اور وقت اخیر سمجھکر نماز شروع کردی جب سلام پھیرا تو سوار نے سلام کیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی منجانب امیر پیش کی۔ اُنھوں نے وہ اشرفیاں قبول کرلیں اور گھر پہنچنے سے پہلے مستحقوں کو تقسیم کردیں[۱]۔ اسلام نے بیت المال کی بنیاد جن اصول پر ڈالی تھی وہ خلافت راشدہ کے بعد بالکل بدل گئے اور مسلمانوں کا قومی مال محض خلفا وسلاطین کا جیب خرچ خیال کیا جاتا تھا۔ جو علمای اسلام بیت المال کے اصلی اغراض سے واقف تھے اُن کے دل اس اسراف کو دیکھ دیکھکر کڑھتے تھے۔ اور جب ان کو موقع ہاتھ آتا انکی زبان خلفا کو برملا متنبہ کرنے سے باز نہیں رہتی تھی۔ حضرت سفیان ثوری ایک دفعہ خلیفہ مہدی کے پاس گئے اور اوس سے کہا کہ مجکو یہ روایت پہنچی ہی کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنے ایک سفر حج میں صرف بارہ اشرفیاں صرف کی تھیں۔ تمہارا اسراف جس حد کو پہنچا ہی وہ ظاہر ہے۔ خلیفہ نے خشمناک ہو کر کہا کہ تم اپنی سی ذلیل حالت میری بھی کیا چاہتے ہو۔ حضرت سفیان نے جواب دیا کہ نہیں مت ہو مگر جس حال میں ہو اوس میں تو

۱ (تذرج ص ۱۴۲)

تو کھی کر دو[1]۔ ایک دفعہ ہارون الرشید اور شاہزادے امام مالک کے یہاں گئے۔ خلیفہ نے امام صاحب سے حدیث سنانے کی فرمایش کی۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ میں نے عرصے سے طریقۂ قرارت چھوڑ دیا ہے اب اور لوگ حدیث مجکو سناتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بہتر ہے میں ہی سناؤنگا مگر اول عام آدمیوں کو اپنی مجلس سے باہر کر دیجئے۔ امام مالک نے جواب میں ارشاد کیا کہ اگر خواص کی خاطر سے عوام محروم کئے جائیں گے تو خواص کو بھی نفع نہیں پہونچ سکتا۔ یہ فرمایا کہ اپنے ایک شاگرد ابن عیسیٰ کو حکم دیا کہ سبق شروع کریں۔ چنانچہ ابن عیسیٰ نے فوراً سبق شروع کیا اور خلیفہ کو خاموش رہنا پڑا[2]۔ خلیفہ نے ایک بار ابن ادریس کو بلا کر عہدۂ قضا قبول کرنے کے واسطے کہا۔ انھوں نے انکار کیا تو رشید نے بگڑ کر فرمایا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ ابن ادریس نے متانت سے جواب دیا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ اور یہ کہکر دربار سے چلے آئے[3]۔ امیر سلیمان ابن علی نے اہواز سے ایک قاصد امام ادب خلیل بصری کے پاس بھیجا اور ان کو امیرزادے کی تعلیم کے لئے طلب کیا۔ ایلچی کی خبر پاکر وہ ادیب مثل باہر آیا۔ خشک روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ وہ ٹکڑا قاصد کو دیا اور کہا کہ لو میرے پاس تو یہی ماحضر ہے۔ اور جب تک یہ موجود ہے خلیل کو سلیمان کی پروا نہیں۔ اس کے بعد یہ اشعار لطیف فی البدیہہ تصنیف کرکے اوس کے حوالہ کئے ؎ ابلغ سلیمان انی عنہ فی سعۃ ٭ وفی غنی غیر انی

لست ذا مال ٭ سخی بنفسی انی لا اری احدا ٭ یموت ہزلاً ولا یبقی علی حال

والفقر فی النفس لا فی المال نعرفہ ٭ ومثل ذالک الغنی فی النفس لا فی المال

فالرزق عن قدر لا العجز ینقصہ ٭ ولا یزیدک فیہ حول محتال[4] ٭ شہر دمشق

ایک صدی تک دولت بنی امیہ کا دارالخلافہ رہا تھا۔ اس لئے خارجیت کا وہاں زور تھا۔ امام نسائی

---

۱ (تذج ص ۱۰۵) ۲ (تذج ص ۱۹۱) ۳ (تذج ص ۲۰۸) ۴ (نزہۃ ص ۵۶)

(جن کی سنن صحاح ستہ میں شامل ہے) جب وہاں تشریف لے گئے تو ایک روز مسجد میں ایک شامی نے اون سے پوچھا کہ حضرت معاویہ کے فضائل کیا کیا ہیں۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ تو اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی جان بچا لیجائیں جو تو اُن کے مناقب پوچھنے چاہتا ہے۔ اس فقرہ کو سنکر دمشقی بھڑک اُٹھے اور اسقدر ضربیں امام نسائی کے ایک نازک مقام پر ماریں کہ وہ بیہوش ہوگئے۔ حالت بیہوشی میں اُن کے رفقا اُن کو مسجد سے باہر لائے اور اوسی دردناک صدمے سے اُس امام حدیث نے وفات پائی[1]

امام سلفی کے درس میں ایکدن بادشاہ مصر مع اپنے بھائی کے آکر شریک ہوا اور وہاں بیٹھکر بھائی سے باتیں کرنے لگا۔ یہ سوء ادب دیکھکر امام موصوف نے بادشاہ کو سرزنش کی اور فرمایا کہ ہم حدیث نبوی اس لئے نہیں پڑھ رہے ہیں کہ تم یہاں بیٹھکر باتیں کرو[2]۔ ابو غالب لغوی نے جب اپنی کتاب فن لغت میں تصنیف کی تو امیر مجاہد سبہ کے باقتدار فرمانروا نے اپنے ایک معتمد کے ہاتھ ایک ہزار اشرفیاں اُن کے پاس بھیجیں اور یہ فرمایش کی کہ کتاب مذکور کے دیباچے میں یہ الفاظ درج کردیں مما الفه ابو غالب لاجل الجیش مجاهد یعنی اس کتاب کو ابو غالب نے امیر مجاہد کے لئے تصنیف کیا ہے ابو غالب نے عطیہ شاہی واپس کردیا اور کہلا بھیجا کہ اگر ساری دنیا مجکو دیجائے تو بھی میں جھوٹے بولنا روا نہیں سمجھونگا میں نے یہ کتاب خاص کر امیر کے واسطے تالیف نہیں کی بلکہ عام نفع کے خیال سے لکھی ہے[3]۔ ابن السکیت مصنف اصلاح المنطق خلیفہ بغداد متوکل کی خدمت میں حاضر تھے کہ خلافت کے تخت جگر بند اور موئد بند وارد ہوئے متوکل نے اُنسے پوچھا کہ یعقوب تمکو کون زیادہ محبوب ہے میرے یہ دونوں بیٹے یا حسنینؓ۔ ابن السکیت نے جواب دیا کہ واللہ حضرت علی کا خادم قنبر تم اور تمہارے دونوں بیٹوں سے کہیں بہتر ہے۔ کیا اس تصریح کی ضرورت ہے کہ خلیفہ کے دل میں ان الفاظ نے کیا تاثیر کی۔ جس زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے وہ خلیفہ کے حکم سے باہر نکال لی گئی

۱ (تذ ج۲ ص ۲۶۹) ۲ (تذ ج۴ ص ۹۶) ۳ (ابن خ ج۲ ص ۹۷)

اور زبان کے ساتھ روح نے بھی جسم سے مفارقت کی[1]۔ قاضی ابن رُشد مشہور فلسفی جب امیر منصور خلیفہ اُندلس کے حضور میں کوئی علمی مسئلہ بیان کرتے تھے تو نشاط کمال اون کے دل سے خلیفہ کی عظمت مٹا دیتا اور ان معمولی الفاظ سے خطاب کرتے۔ اسمع یا اخی یعنے سُن اے بھائی[2]۔ خلفا کے دربار چھوڑ کر اب ہم بارگاہ سلطانی میں آتے ہیں اور چند واقعات علمائے روم کی حق بیانی کے گذارش کرتے ہیں مولانا شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک معاملے میں سلطان بایزید نے شہادت دی تو شہادت سلطانی کو اُنھوں نے قبول نہیں کیا۔ جب سلطان نے وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کے پابند نہیں اور تارک جماعت کی شہادت مردود ہے[3]۔ سلطان محمد خان نے ایک بار اپنا موسوم (مراسلہ) قاضی بروسہ مولانا شمس الدین کورانی کے پاس بھیجا۔ اُس میں کوئی بات خلاف شرع درج تھی۔ مولانا اوس کو دیکھکر اس قدر برافروختہ ہوئے کہ سلطانی فرمان پھاڑ کر لانے والے کو باہر نکال دیا۔ سلطان کو اُنکی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور غضب سلطانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانا کو عہدۂ قضا کے ساتھ سلطنت روم بھی چھوڑنی پڑی[4]۔ مولانا ابن خطیب ایک روز عید کی مبارکباد دینے ایوان سلطانی کو گئے اُن دنوں وہ خزانہ سلطنت کے وظیفہ خوار بھی تھے اور سو درہم یومیہ اُن کو ملتے تھے جب دربار کو چلے تو چند طلبہ ہمرکاب تھے حضور سلطانی میں پہنچے تو سلطان نے ازراہ حُسن اخلاق سات قدم بڑھکر استقبال کیا۔ مولانا نے بجائے جھک کر آداب بجا لانے کے سلام کیا اور بجائے دست بوسی کے مصافحہ۔ اُن کے ایک شاگرد کو اُستاد کا یہ خلاف آداب برتاؤ ناگوار گذرا اور وہ ایسی میں اُس نے کہا کہ آخر سلطان فرمان روا ہے وقت ہے۔ کچھ تو آپ کو جھکنا تھا۔ ابن خطیب نے فرمایا کہ آیا یہ فخر سلطان کے لئے کم ہے کہ ابن خطیب سا فاضل اُن کے پاس گیا۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ سلطان اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ مولانا ابو

۱ (ابن ج۲ ص ۳۰۹ و ۳۱۱) ۲ (عیون ج۲ ص ۷۷) ۳ (شقق ج۱ ص ۳۸) ۴ (شقق ج۱ ص ۹۱) ۵ (شقق ج۱ ص ۱۶۳)

قاضی قسطنطنیہ ایک دن مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو دروازے پر صدر اعظم کے چوبدار کو حاضر پایا جو اُنکی بلانے کو آیا تھا۔ اُس وقت مولانا کے سر پر چھوٹا سا عمامہ تھا اور چھوٹا عمامہ باندھ کر بارگاہ وزارت میں جانا خلاف ادب تھا۔ مگر خدا پرست مولانا کے دل نے گوارا نہ کیا کہ رب العزت سے زیادہ ادب اُس کے ایک بندے کا کریں اور اُسی عمامے کو باندھے صدر اعظم کے حضور میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو اعتراض ہوا انھوں نے بے نیازی سے اپنا خیال صاف صاف ظاہر کر دیا جس کو سنکر وزیر اعظم نے بہت پسند کیا اور حضور سلطانی میں اُس کی نقل کی ۱؎

معاصرین اور ہمچشموں کے مقابلے میں

عربی کا ایک مقولہ ہے المعاصرۃ سبب المنافرۃ یعنی ہمعصری باہم نفرت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ عادت تقریبًا طبیعت ہو چکی ہے کہ جو ہم فن اہل کمال ایک ہی زمانے میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کما حقہ نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹٹولے جاتے ہیں تو انکی باہمی بے پروائی رقابت کے اثر سے کم و بیش پر خاموش مغایرت کی حد تک ترقی کی ہوئی نظر آئیگی۔ شیخ سعدی کے زمانے میں ایک اور فارسی کا شاعر امامی ہروی تھا اُس زمانے کے لوگ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہے کہ دونوں میں کون زیادہ باکمال ہے۔ چنانچہ ہمگر شیرازی ایک مشہور شاعر اس بارے میں حکم قرار دیا گیا اور اوس نے امامی کو سعدی سے افضل بتایا یہ ایسا غلط فیصلہ تھا جس کے غلط ہونے میں گذشتہ چھ سو برس کے عرصے میں شاید کسی کو کلام ہوا ہو۔ مگر معاصرت کے اثر نے ہمگر کو اس غلطی کا ادراک نہیں ہونے دیا۔ ہم جن علما کے حالات آپ کو سنا رہے ہیں اُن کے جوش حق پرستی نے کبھی دن کو معاصرین کے فضل و کمال سے چشم پوشی نہیں کرنے دی۔ واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ وہ بزرگ جو ہر اہل کمال کے آگے جھکنے

۱؎ دمشق ج ص ۲۳۴)

والے تھے اور جن مین یہ جوہر ہوتا تھا اونکا معاصر عمر مین چھوٹا - طبقے مین نیچا یا مذہب میں مخالف
ہونا اون کی قدر شناسی کو کم نہین کرسکتا تھا - امام اعظم امام مالک سے عمر مین تیرہ برس بڑے
تھے اور طبقہ مین عالی لیکن جب اون سے ملے تو اس ادب سے ملے جیسے چھوٹے بڑون سے
ملتے ہین - شاعر مشہور ابو اسحاق عقیدے کا صابی[1] تھا مگر جب وہ مرا تو محض قدردانی کمال کے لیے
ہاشمی نسب شریف رضی نے اون کا مرثیہ لکہا اور لوگون کے طعن کی کچھ پروا نہین کی - معاصرین کے
فضل و کمال کا اعتراف اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے کہ علی الاعلان اُنکو اپنے سے زیادہ
عالم و کامل بتائین - اُنکی جلالت کے سامنے اپنی بے مایگی کا اقرار کرین اور جب کوئی مشکل پیش آئے
تو اُن سے اس کے حل کردینے کا سوال - یا آنکہ وہ ان کی تصانیف پر اعتراض کرین تو اونکا
شکریہ ادا کیا جائے اور اون کو دعائے خیر سے یاد - ایک موقع پر امام شعبی آنحضرت کے عہد مبارک
کے جنگی معرکونکا بیان کر رہے تھے - اتفاقاً حضرت ابن عمر کا گذر اُسی راستے سے ہوا - امام ممدوح کا بیان
سُن کر فرمایا کہ جس قوم کا یہہ ذکر کر رہے ہین مین اُس کے دیکھنے والون مین ہون لیکن مغازی
یہ مجھسے زیادہ اور بہتر جانتے ہین[2] - حضرت امام باقر نے ایک مرتبہ فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی شخص
حج کے مسائل عطا سے بہتر نہین جانتا[3] - حضرت امام زین العابدین اپنے ایک شاگرد زید ابن اسلم کے
پاس جاکر بیٹھا کرتے تھے - لوگون نے اسپر تعجب ظاہر کیا تو پاک نفس امام نے فرمایا کہ جس کی صحبت مین
دین کا نفع ہوتا ہے اُس کے پاس انسان بیٹھتا ہی ہے[4] - ایک دفعہ کا ذکر سنیے کہ مدینہ طیبہ مین امام زہری
امام ربیعہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک مکان مین لے گئے اور وہان دونون بیٹھے ایک دوسرے کی علم کو جانچا جب
عصر کے وقت وہ دونون امام زمانہ باہر تشریف لائے تو زہری تو یہ کہتے نکلے کہ ربیعہ کا مثل دیکھنے
مین نہین اور ربیعہ فرماتے آئے کہ زہری کے رتبے کو کوئی نہین پہنچتا[5] - ابن اسحق اصفہانی

---

[1] ستارہ پرست ۱۲ [2] (تذ ج ص ۷۱) [3] (تذ ج ص ۱۰۶) [4] (تذ ج ص ۱۱۹) [5] (تذ ج ص ۹۸)

جب بصرے گئے اور وہاں کے محدثین سے حدیث پڑھنی چاہئے تو سب نے پوچھا کہ تمہارے شہر میں عباس ابن یزید نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ اُن کے ہوتے ہوئے تم ہمارے پاس کیوں آئے ۱؎۔ اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ اُس عہد مبارک میں افراد نہیں بلکہ گروہ کے گروہ حق کے گرویدہ تھے۔ اور حسن تعلیم نے سب کے مذاق یکسان پاک صاف کر دیے تھے۔ امام عمرو ابن دینار امام زہری کے کمالات کا شہرہ سن سنکر فرمایا کرتے تھے کہ زہری کے پاس دھرا کیا ہی۔ میں نے ابن عمر کو دیکھا ہی انھوں نے نہیں دیکھا میں نے ابن عباس کو دیکھا انھوں نے نہیں دیکھا۔ انداز کلام صاف کہہ رہا ہے کہ ابن دینار کو کمال کا غرا زہری سے بیزار کر رہا تھا۔ حسن اتفاق کہ اُسی عرصے میں امام زہری کا مکہ مکرمہ میں گذر ہوا۔ جب انھوں نے اُنکی آمد کی خبر سُنی تو باوجود پاؤں سے معذور ہونے کے فوراً ملاقات کو تیار ہو گئے اور خدام سے فرمایا کہ مجکو امام زہری کے یہان لے چلو۔ ملازموں نے ارشاد کی تعمیل کی اور اُن کو امام ممدوح کی خدمت میں لے آئے۔ یہ جب اُن سے ملے تو زیادہ گرویدہ ہو گئے اور شب کو وہیں رہے۔ صبح کو واپس آئے تو شاگردوں نے سوال کیا کہ کہئیے امام زہری کو کیسا پایا۔ ابن دینار کی اگلی رائے کو انصاف مغلوب کر چکا تھا فرمایا کہ واللہ ما رأیت مثل ھذا القرشی ابداً یعنی میں نے اس قرشی کا مثل کبھی نہیں دیکھا ۲؎۔ مولانا ابن مؤید رومی جب محقق دوانی کے پاس گئے تو محقق نے اُن سے سوال کیا کہ روم سے ہمارے لئے کیا ہدیہ لائے۔ مولانا نے یہ سُنکر علامہ خواجہ زادے کی تازہ تصنیف کتاب تہافہ پیش کی۔ محقق نے اُس کو لیکر اوقات فرصت میں اوس کا مطالعہ کیا جب تمام و کمال دیکھ چکے تو مولانا ابن مؤید سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم کو اور اس رسالے کے مصنف کو جزائے خیر دے۔ مین بھی اس مبحث پر ایک کتاب لکھنے کے خیال میں تھا۔ مگر اللہ نے

۱؎ (تذ ح ص ۸۶) ۲؎ (ابن خ ص ۱۵۴)

شرم رکھ لی۔ اگر میں اس کتاب کے دیکھنے سے پہلے لکھ چکا ہوتا تو میری بڑی ہنسی ہوتی[1]
جب تک حضرت سالم ابن عبداللہ زندہ رہے امام نافع نے فتوی نہیں دیا[2]۔ حضرت
سعید ابن المسیب کے پاس جب کوئی حاجتمند فتوی پوچھنے جاتا تو امام ممدوح فرماتے کہ
سلیمان ابن یسار کے پاس جاکر پوچھو اس لئے کہ آج وہ سب سے زیادہ عالم ہیں[3] حضرت
قاسم (ابن محمد ابن ابی بکرؓ) سے کسی نے پوچھا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم (ابن عبداللہ
ابن عمرؓ) تو انھوں نے فرمایا کہ یہ مرتبہ سالم کو ہی حاصل ہے[4]۔ فرای نحوی اپنے ہمعصر اخفش
اوسط سے ملنے گئے تو اخفش نے کہا کہ اے لوگو تمہارے پاس لغت اور عربیت کا سردار
آیا فرا نے کہا کہ جبتک اخفش زندہ ہیں اسوقت تک نہیں[5]۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو
جب ضرورت پیش آتی تو وہ زر ابن حبیش سے عربیت کے متعلق باتیں دریافت فرما لیا کرتے[6]
قابوس نے جب اپنے والد سے یہ سوال کیا کہ آپ صحابہ کرام کی موجودگی میں علقمہ (تابعی)
کے پاس کیوں جایا کرتے تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں اس لئے جایا کرتا تھا کہ میں نے
بعض صحابہ کو دیکھا تھا کہ وہ علقمہ کے پاس تشریف لیجا کر مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے[7]
خواجہ حسن بصری کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تو بذریعہ تحریر حضرت سعید ابن المسیب سے
دریافت فرما لیتے[8]۔ امام ابو احمد کو فن حدیث میں ایکبار اشکال پیش آیا تو انھوں نے
اپنے معاصر ابن مندہ سے نیشاپور خط بھیجکر حل کر لیا[9]۔ حضرت ابن عمر اکثر امام مجاہد (تابعی)
کے گھوڑے کی رکاب تھام لیا کرتے تھے[10]۔ اشہب ابن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے امام
ابو حنیفہؓ کو امام مالکؓ کے حضور میں ایسا مودب بیٹھا دیکھا جیسے چھوٹے بڑوں کے سامنے

[1] (ابن خ ص ۱۸۱) [2] (ابن خ ص ۲۰۸) [3] (تذج ص ۴۹) [4] (تذج ص ۴۲) [5] (تذج ص ۴۷)
[6] (تذج ص ۳۳۷) [7] (تذج ص ۸۰)

بیٹھتے ہیں[1]۔ امام اعظم امام مالک سے عمر میں تیرہ برس بڑے تھے اور طبقے میں بھی اون سے عالی ہیں۔ اسی واسطے امام ذہبی واقعۂ بالا کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے امام ابو حنیفہ رضہ کے حُسن ادب اور تواضع کی کیفیت معلوم ہوتی ہوگی اور حق یہ ہے کہ ان بزرگوں کی عظمت کے اصلی اسباب یہی صفات تھے[2]۔ حسن ابن علی کہتے ہیں کہ جب وہیم بغداد میں آئے تو میں نے اپنے والد۔ امام احمد ابن حنبل۔ یحییٰ ابن معین اور ابن سالم کو اُن کے سامنے ایسا بیٹھا دیکھا جیسے بچے بیٹھے ہوں[3]۔ امام احمد حنبل کے پاس ایک بار امام ذہلی آئے تو امام ابن حنبل اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ دونوں اماموں کے رتبے میں اس قدر فرق تھا کہ لوگوں کو اس تعظیم سے حیرت ہوئی۔ امام ممدوح نے صرف تعظیم پر کفایت نہیں کی بلکہ اپنے صاحبزادوں اور تلامذہ کو حکم دیا کہ اُن سے جاکر حدیث حاصل کریں[4]۔ سفیان ابن عیینہ سے کسی نے کہا کہ شہر میں حسین ابن جعفی آئے ہیں۔ ابن عیینہ یہ سُنکر بے اختیار کھڑے ہوگئے اور فوراً ابن جعفی سے جاکر ملے اُن کے ہاتھ چومے اور فرمایا کہ آج یہاں ایسا شخص وارد ہوا ہے جس کی فضیلت سب سے بڑھی ہوئی ہے[5]۔ سُننے کے قابل یہ بات ہے کہ ابن عیینہ ابن جعفی بیس برس تو عمر میں بڑے تھے اور طبقۃً عالی۔ امام محمد اور امام شافعی میں جس قدر جزئیات میں اختلاف ہے ظاہر ہے باایں‌ہمہ امام محمد جتنی امام شافعی کی تکریم کرتے تھے اُتنی کسی عالم کی نہیں کرتے تھے۔ امام بوشنجی کسی جنازے کی نماز پڑھانے تشریف لے گئے تھے جب واپس ہونے لگے تو امام ابو عمرو نے اُن کے گھوڑے کی باگ تھامی۔ امام ابن خزیمہ نے رکاب اور امام جارودی نے چار جامہ درست کیا۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی اپنے معاصر امام الحرمین سے ایک موقع پر یوں خطاب کررہے تھے۔ یامفید اہل المشرق والمغرب

[1] (تذکرۃ ص ۱۸۹) [2] (تذکرۃ ص ۱۴۶) [3] (تذکرۃ ص ۱۱۴) [4] (تذکرۃ ص ۲۳۰) [5] (تذکرۃ ص ۴۴۴) [6] (تذکرۃ ص ۲۳۰)

انت الیوم امام الائمۃ یعنے اے مشرق و مغرب کے لوگون کو فائدہ پونہچانے والے
آج تم سارے امامون کے امام ہو۔ حق پسندی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ حاکم نیشاپوری
محدث مشہور نے فن حدیث مین ایک کتاب المدخل فی الصحیح لکھی تھی امام عبدالغنی مصری نے
اُس کا رد لکھا۔ حاکم نے جب یہ رد دیکھا تو امام مصری کی خدمت مین شکریہ کا خط بھیجا اور
اُن کے حق مین دُعائے خیر کی[2]۔ ذیل کی متفرق حکایتین بھی ہمارے مدعا کو کسی نہ کسی پہلو سے
ثابت کرتی ہین۔ ابو اسحٰق شاعر مشہور نے جب وفات پائی تو شریف رضی نے اُس کا
مرثیہ لکھا۔ لوگ یہ سُنکر بگڑے اور کہا کہ افسوس ہے کہ خاندان نبوت سے ہو کر اُنھون نے
ایک صابی کا مرثیہ لکھا اور اسکو اچھا۔ شریف ممدوح نے یہ اعتراض سُنا تو فرمایا اور کیا خوب
فرمایا۔ انما رثیت فضلہ (مین نے تو اوس کے کمال کا مرثیہ لکھا ہے[3]) الحق سے
انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری امام ابو
داود کے پاس (جن کی سُنن داخل صحاح ستہ ہی) تشریف لے گئے۔ امام نے اُن کو اہلاً و سہلاً
کہکر لیا اور تعظیم سے بٹھایا۔ جب حضرت ممدوح بیٹھ لئے تو امام موصوف سے فرمایا کہ مین
ایک کام کے واسطے حاضر ہوا ہون۔ ابو داود نے ارشاد کیا کہ فرمائے۔ حضرت سہل نے
کہا کہ جب تک یہ وعدہ نہ ہو جائے کہ حتی الامکان میری درخواست مقبول ہوگی مین نہ کہونگا
امام محدث نے جب یہ منظور فرما لیا تو اُنھون نے کہا کہ اپنی زبان جس سے احادیث نبویہ
آپنے روایت کی ہین نکالئے تاکہ مین اُس کو چوم لون۔ چنانچہ اُنھون نے اپنی زبان
نکالی اور انھون نے چوم لی[4]۔ مبّرد اور ثعلب ادب کے دو مشہور امامون مین بوجہ معاصرت
چشمک تھی ۔۔ جب مبرد کے انتقال کی خبر سنی تو ثعلب نے بہت تاسف کیا اور

---

۱ (ابن خ ص ۳۰۷) ۲ (تذکرۃ ص ۲۵۰) ۳ (ابن خ ص ۱۳) ۴ (ابن خ ص ۲۱۴)

ایک دردناک مرثیہ لکھا جس کے بعض اشعار یہ ہین ؎ ذَھَبَ المبرِّدُ وَانقضَت
ایامہُ ٭ وَلَیَذھَبَنّ مَعَ المبرد ثعلبُ ٭ بیتٌ مِنَ الآدابِ اَضحیٰ نِصفُہُ
خَرِبًا وَبَاقی النصف منہ سَیَخرِبُ ٭ فتزوّدوا من ثعلبٍ فبکأس ما شَرِبَ
المبرد عن قریبٍ یَشرِبُ ٭ اُس زمانے کے حق پسندی کی ایک مثال خطیب بغدادی
کے دفن سے متعلق ہے۔ خطیب کا وقت وفات جب قریب ہوا تو انھون نے وصیت کی
کہ میری قبر بشر حافی کے مزار کے قرب مین بنائی جائے۔ بعد وفات محدثین نے ہرچند تلاش
کی مگر کوئی جگہہ اُس بابرکت قبر کے قریب نہ ملی۔ صرف ایک لحد تھی جو ایک صوفی ابن زہر نے
حالت حیات مین اپنے واسطے تیار کرائی تھی۔ ہر ہفتہ ایک بار وہ اُس مین جا کر لیٹتے اور کلام
مجید ختم کرتے۔ جس کنج مزار کو اس محنت سے اُنہون نے پاک بنانا چاہا تھا خطیب کے وصیون
نے آخر اُسی کو تاکا اور اُنسے اُسکے دینے کی استدعا کی۔ ظاہر ہے کہ یہ کب قبول کرتے
وہ بزرگ گروہ اُنسے مایوس ہوکر ان کے والد کے پاس گیا اور حال بیان کیا۔ باپ نے
بیٹے کو بلا بھیجا۔ جب یہ آئے تو ان سے کہا کہ مین یہ نہین کہتا کہ وہ قبر تم دیدو۔ مگر ایک
بات پوچھتا ہون۔ فرض کرو کہ تم کسی موقع پر بشر حافی کے پاس بیٹھے ہوتے اور خطیب
وہان آتے تو تم کیا پسند کرتے کہ خطیب تم سے پائین مین بیٹھ جائین۔ ابن زہر نے
کہا نہین مین اپنی جگہہ اُن کے واسطے خالی کر دیتا۔ نکتہ شناس باپ نے کہا کہ بس ابھی

---

[1] (تذہیتہ ص ۴۹۳ و ۲۸۷) ؎ مبرد گیا اور اوس کی زندگی کے دن گذر گئے
مبرد کی رفاقت مین ثعلب بھی ضرور جائیگا۔ آداب کا گھر آدھا تو ویران ہو گیا۔ جو آدھی
باقی ہے وہ بھی خراب ہوا چاہتا ہی۔ ثعلب کا دم غنیمت سمجھو کہ جو تلخ گھونٹ مبرد نے پیا ہے وہی ثعلب
بھی عنقریب پینے والا ہے ۱۲

معاملہ بعار رعایت ہونا چاہئے۔ صاف دل صوفی کے دل میں یہ بات اثر کر گئی اور اُنھوں نے وہ فقرہ بطیب خاطر دیدی[۱]۔ عفان ابن مسلم محدث انصاری کو ایک دفعہ دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دی گئیں کہ فلان شخص کی نسبت وہ قاضی کی عدالت میں جرح و تعدیل کریں مگر اُنھوں نے فرمایا کہ میں کسی کے حق کو باطل نہیں کرسکتا۔ اور یہ کہکر اشرفیان واپس کردیں[۲]

اپنے نفس کے مقابلے میں۔

یہ بیان عنوان حق پسندی کا اگرچہ آخری حصہ ہے لیکن اہمیت اور دشواری میں پچھلے دونوں بیانوں سے بڑھا ہوا ہے۔ برہنہ شمشیر کے مقابلے میں حق کو نہ چھوڑنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا یہ مشکل ہے کہ انسان اپنے نفس کی بُرائیان ازراہ انصاف قبول کرلے یا آنکہ ایک شہرۂ آفاق باکمال اپنے ایک معاصر کے فضل و علم سے اپنے علم و فضل کو کم مان لے۔ اولاد اور جان دُنیا میں بہت عزیز چیزیں ہیں مگر جب اولاد نافرمان ہوجاتی ہے وہ دشمن سے زیادہ بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور زندگی جب دل کو ستانے لگتی ہے یا کوئی حالت ایسی پیش آجاتی ہے جس کا نفس متحمل نہیں ہوسکتا تو انسان بیدھڑک اپنی حیات کا خاتمہ کردیتا ہے۔ تاریخ میں ایک ایسے جوانمرد بادشاہ کا ذکر ہے جس نے آٹھ ہزار فوج سے اسی ہزار جرار فوج کے منہ پھیر دیے تھے۔ اور اُس وقت اُس کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ لیکن یہ اولوالعزم فرمانروا اپنے نفس کے مقابلے میں ہمیشہ مغلوب رہا۔ بچے بعد دیگرے فاحش غلطیان اُس نے کیں اُس کے مشیر سر دُھنتے رہے مگر کبھی اوس سے یہ نہو سکا کہ اپنی غلطیوں کو غلطی مانکر راہ ثواب اختیار کرلیتا آفرین ہے اُن علمائے سلف پر جنھوں نے

۱؎ (ابن خ ص ۱۳) ۲؎ (تذ خ ص ۳۴۸) ۳؎ ایک اشرفی اگر دس روپیہ کی رکھی جائے تو ایک لاکھ روپیے ہوتے ہیں

اپنے نفس کی خودپسندی کو قابو میں رکھتا۔ اور کبھی حق پر غالب نہیں ہونے دیا فقہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں کہ اُمت کے پیشوا امامون نے کئی مسئلوں میں اپنی ایک راے ظاہر کی اور عقیدت کی مدد سے وہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور ایک عالم میں اس پر عمل ہونے لگا۔ پھر جب اون کو اپنی راے کی غلطی کی حس ہوئی تو اُنھوں نے علی الاعلان اپنی پہلی راے کو چھوڑ دیا۔ اس کی نظیریں ابھی عرض کیجائینگی کہ بڑے بڑے جلیل القدر امامون نے اپنی شاگردون کی شاگردی کی ہے۔ ایسے بھی پاک نفس بندے تھے جو کسی فن یا علم میں مشہور روزگار ہوتے تھے اور جب اون کے سامنے اُسی علم کا کوئی ایسا سوال پیش کیا جاتا جس کا جواب اُنہیں معلوم نہ ہوتا تو وہ بدون کسی پس و پیش کے سائل سے فرمادیتے تھے لا ادری یعنی میں نہیں جانتا۔ امام شافعی جن کی راے پر لاکھون نہیں کروڑون آدمیون نے اپنے دین اور دنیا کو چھوڑ دیا ہے اپنی عقل اور راے کی نسبت یہ فرماتے ہیں ؎ کلما ادبنی الدھر + ارانی نقص عقلی ۔ واذا ما ازددت علماً + زادنی علمی بجہلی + یہ باتیں کہنے کو تھوڑی اور چھوٹی ہیں مگر کرنے کو بڑی ہیں اور بہت بڑی۔ سلیمان ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس دونون کی خدمت میں حاضر ہوا ہوا ہوں۔ حضرت ابن عمر اکثر سوالون کے جواب میں لا ادری فرما دیتے تھے مگر حضرت ابن عباس کسی سائل کو واپس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کو تعجب آتا تھا کہ عبداللہ ابن عمر کیون لا ادری کہکر لوگون کو ناکام واپس کر دیتے ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ جو مسائل مشتبہ پیش آئے اس میں اول تو سنت کو تلاش کرنا چاہیے اور اُس کے مطابق حکم دینا اور اگر صریح سنت نہ ہو تو اپنے اجتہاد سے کام لیں۔ اتفاق زمانہ کہ ایک روز کوئی مسئلہ اُن کے سامنے ایسا پیش ہوا جس کے جواب میں

حضرت ممدوح متحیر رہ گئے۔ اُس وقت اون کو اپنا وہ مقولہ یاد آیا جو حضرت ابن عمر کے مقابلے میں فرمایا کرتے تھے۔ اور از راہ انصاف ارشاد کیا کہ البلاء موکل بالقول[1] حدیث کے عالی مرتبہ امام شعبی بھی اکثر سوال کے وقت لا ادری کہدیتے تھے۔ اُنکا قول ہے کہ ہم فقیہ نہیں ہیں۔ ہم نے تو بس یہ کیا ہے کہ جو حدیث سُنی اُس کو روایت کردیا۔ فقہا وہ ہیں جو علم پر عمل بھی کرتے ہیں[2]۔ جلیل القدر تابعی حضرت عطا کے پاس ایک روز ابن ابی لیلیٰ گئے تو حضرت عطا نے اُن سے بعض مسائل از راہ استفادہ دریافت کئے۔ جو لوگ اُن کی شان امامت سے واقف تھے اُن کو تعجب ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ سے عطا استفادہ کریں۔ حضرت عطا نے سُنا تو فرمایا کہ تعجب کیا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ مجھے زیادہ عالم ہیں[3]۔ اُن بزرگوں کو پاک نفسی اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اپنے شاگردوں کے مقابلے میں اپنے علم و کمال کو کمتر سمجھتے تھے۔ ابن عیینہ نے اپنے شاگرد علی ابن مدینی کی نسبت ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو تم مجکو ابن مدینی کے ارتباط پر ملامت کرتے ہو واللہ وہ جتنا مجھ سے علم حاصل کرتے ہیں اُس سے زیادہ میں اُنسے سیکھ لیتا ہوں[4]۔ یحیٰی ابن معین اپنے شاگرد امام ابن حنبل کی نسبت فرماتے ہیں کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں مثل احمد ابن حنبل کے ہو جاؤں۔ قسم ہے اپنے رب کی میں اُن کے مرتبے کو نہیں پا سکتا[5]۔ حماد ابن زید کا اپنے معاصر شعبہ کے بارے میں یہ قول تھا کہ جب حدیث میں میری اور شعبہ کی رائے میں مخالفت آ پڑتی ہے تو میں اپنی رائے چھوڑ کر شعبہ کا قول اختیار کر لیتا ہوں۔ اس لئے کہ شعبہ نے تنبیح سے ایک حدیث بیس دفعہ سُنکر بھی سیر نہیں ہوتے تھے اور میں ایک بار کے سُن لینے پر قانع ہوں[6]۔ امام شعبہ فرماتے تھے کہ سفیان احفظ منی یعنے سفیان کو مجھسے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ اُن کے

---

[1] بولنا بلا میں ڈالنا ہے [2] (تذکرہ ص ۷۳) [3] (تذکرہ ص ۹۰) [4] (تذکرہ ص ۱۵۴) [5] (تذکرہ ص ۱۲) [6] (تذکرہ ص ۱۹) [7] (تذکرہ ص ۱۷۵)

ہمہ بین اس فن پاک کا کمال حفظ پر موقوف تھا لہٰذا امام شعبہ کا حضرت سفیان کو اپنے آپ سے زیادہ حافظ حدیث بتانا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زیادہ عالم ہیں۔ امام اوزاعی شام کے مفتی ایک روز امام فزاری کو خط لکھوانے لگے تو کاتب سے فرمایا کہ اول اُن کا نام لکھنا اس لئے کہ واللہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ خواجہ حسن بصری نے کسی موقع پر بیان فرمایا تھا کہ منافق کو تین علامتوں سے پہچان لیا جب وہ بات کہے تو جھوٹ بولے کسی کی امانت رکھے تو خیانت کرے وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے حضرت عطا نے اُن کا یہ قول سُنا تو اعتراض کیا کہ حضرت یعقوب کے فرزندوں میں تینوں باتیں موجود تھیں۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ امانت میں خیانت کی اور وعدہ خلافی بھی کی۔ با اینہمہ خدا تعالیٰ نے اُن کو نبوت کا درجہ بخشا۔ لگانے بجھانے والے تو بڑے ہوتے ہیں کسی نے حضرت عطا کا یہ اعتراض خواجہ صاحب کے کان تک ڈال دیا۔ پاک نفس خواجہ نے یہ سنکر از راہ انصاف فرمایا کہ وفوق کل ذی علم علیم۔ لوگوں کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کی (جن کو دربار فضل سے امام اعظم کا خطاب ملا ہے) ایک ادنیٰ پیشہ ور حجام نے پانچ غلطیاں پکڑی تھیں۔ امام اعظم نے اس حجام کی یہ قدر کی کہ اس واقعے کو خود سنا کر قیامت تک اُس کا نام کر دیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایام حج میں میں نے ایک حجام سے حجامت بنوانے کا قصد کیا۔ جب میں اُس سے اُجرت ٹھہرانے لگا تو اُس نے کہا کہ مناسک کی اُجرت نہیں ٹھہرائی جاتی۔ اُس نے جب حجامت بنانی شروع کی تو میرا منہ قبلے کی جانب نہ تھا۔ اس پر حجام نے کہا کہ قبلہ رخ ہو بیٹھو۔ میں نے بائیں طرف سے حجامت بنوانے کا ارادہ کیا تو وہ بولا کہ حجامت داہنی جانب سے اول بنوائی جاتی ہے۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھا اور میں خاموش

---

١ (مقدمہ ج ص ۱۸۴) ٢ (مقدمہ ج ص ۲۴۹) ٣ (ابن خ ص ۳۱۹)

سہ عربی میں خط کے آغاز میں لکھتے ہیں من فلان الی فلان یعنی فلاں شخص کی جانب سے فلاں شخص کو ۱۲

عہ ہر ذی علم سے بڑھکر ایک عالم ہے سہ وہ اعمال جو حج سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس پر اُس نے ہدایت کی کہ تکبیر پڑھتے جاؤ۔ جب حجامت سے فارغ ہو کر میں اٹھ کر چلا تو میرے حجام نے پوچھا کہ کہاں چلے میں نے کہا کہ اپنی فرودگاہ پر جاتا ہوں۔ یہ سنکر اُس نے کہا کہ اول دو رکعتیں پڑھ لو پھر قیام گاہ کا قصد کرنا۔ اسپر مجھے تعجب آگیا اور میں نے پوچھا کہ یہ باتیں تمکو کس نے بتلائی ہیں حجام نے جواب دیا کہ میں نے حضرت عطا کا طریق عمل ایسا ہی دیکھا تھا[1]۔ ائمہ حدیث کے حالات میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں کہ جب اون کے شاگرد شیخ بنے تو اُنھوں نے اُن سے حدیثیں حاصل کیں۔ بلکہ محدثین کا یہ قول ہی کہ انسان اُسوقت تک محدث نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اعلی۔ ہمسر اور کمتر تینوں طبقوں سے روایت نکرے[2]۔ بطور نمونہ ہم چند مثالیں ذیل کے نقشہ میں لکھتے ہیں

نمبر	نام	نام شاگرد جس سے حدیث روایت کی	نمبر	نام	نام شاگرد جس سے حدیث روایت کی
١	علقمہ	مقاتل (تذکرہ ص ١٠٧)	٥	ابو حنیفہ	ابراہیم ابن طہمان (تذکرہ ص ٢١٣)
٢	اعمش	سفیان ابن عیینہ (تذکرہ ص ٢٤٢)	٦	لیث	عبداللہ ابن وہب (تذکرہ ص ٢٧٩)
٣	ابن جریج	" "	٧	بخاری	عبداللہ ابن حماد (مقدمہ ص ٥٦٥)
٤	شعبہ	" "	٨	خطیب بغدادی	ابن ماکولا (تذکرہ ص ٢)

احمد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اسحق ابن راہویہ کو یہ کہتے سنا کہ خدا تعالی حق کو پسند فرماتا ہی لہذا میں کہتا ہوں کہ ابو عبید (بغدادی) مجھ سے علم میں بڑھکر اور فقہ میں زیادہ ہیں۔ ہم ابو عبید کے محتاج ہیں مگر اُن کو ہماری احتیاج نہیں[2]۔ جب سلیمان حافظ حدیث بغداد میں وارد ہوئے اور امام احمد ابن حنبل نے آنکی آمد کی خبر سنی تو حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ چلو سلیمان سے راویان حدیث کا پرکھنا سیکھیں[3]

[1] (مقدمہ ص ٥٦٥) [2] (تذکرہ ص ٦) [3] (تذکرہ ص ٧٢)

امام ممدوح اور سلیمان کی جلالت شان میں جو فرق تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ ایک عالم کہتے
ہیں کہ میں نے یحییٰ ابن معین کا یہ مقولہ سنا تھا کہ ہم راویان حدیث پر جرح کر رہے ہیں حالانکہ ممکن ہے
کہ وہی لوگ دو سو برس سے بہشت میں آسودہ ہوں۔ ایک روز میں جو ابن حاتم کی خدمت میں گیا تو
وہ فن رجال کا درس دے رہے تھے میں نے امام ممدوح کا قول مذکور ان کو سنایا۔ ان پر اس
مقولہ کا یہ اثر ہوا کہ رونے لگے۔ ہاتھوں میں رعشہ آگیا اور کتاب ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔
زار زار روتے تھے اور بار بار مجھ سے اس روایت کو کہلواتے تھے۔[1] ایام طالب علمی میں ایک
روز امام دارقطنی ابن انباری کی مجلس درس میں شریک ہوئے۔ دوران املا میں ابن انباری
سے ایک نام میں غلطی کی۔ دارقطنی کو اتنی جسارت تو نہ ہوئی کہ ابن انباری کو متنبہ کرتے مگر ان کے
مستملی کو وہ غلطی بتا دی۔ جب دوسرے جمعہ کو دارقطنی پھر مجلس مذکور میں گئے تو ابن انباری نے
باعلان فرمایا کہ ہم سے اس روز فلاں نام میں غلطی ہوگئی تھی اس نوجوان نے ہم کو اس غلطی پر آگاہ
کر دیا۔ حق پسندی اس کو کہتے ہیں اگر ابن انباری اس راز کو فاش نہ کرتے تو شاید دنیا کو اس کی
خبر بھی نہ ہوتی۔ مگر انھوں نے یہ خیال فرمایا کہ اپنی ایک خطا ظاہر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔
لیکن نوجوان طالب علم دل ٹوٹ جانے کا مستحق ہے اس کی حق تلفی نہ ہونی چاہئے۔ حافظ ابن
خیرون کو کسی نے حافظ لکھا تو وہ بگڑ گئے اور فرمایا کہ میری کیا ہستی ہے جو مجھ کو حافظ لکھا جائے۔[3] آج
کل کے مجہول فاضل اپنے نام کے اول میں مولوی لکھا دیکھتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ حق بحقدار رسید۔ آل
سلجوق کے نامور پایہ وزیر نظام الملک طوسی نے جو نظامیہ مدرسہ بغداد میں قائم کیا تھا اس میں شیخ
ابو اسحٰق شیرازی اور امام حجۃ الاسلام غزالی جیسے اکابر مدرس رہے تھے۔ فخر الاسلام شاشی جب اسکے
مدرس مقرر ہوئے تو پہلے روز مسند تدریس پر متمکن ہونے کے بعد ان اکابر کا تصور ان کو

[1] (تذکرہ ص ۵۰) [2] (تذکرہ ص ۶۱) [3] (تذکرہ ص ۸)

ہوا جو اُس مسند کی عزت بڑھا چکے تھے۔ اس تصور نے اُن کے پاکیزہ قلب پر ایک کیفیت طاری کردی۔ اپنا عمامہ آنکھوں پر رکھ کر بے اختیار رو دیئے اور یہ شعر پڑھا

؎ خلت الدیار فسدت غیر مسود ٭ ومن العناء تفردی بالسودد[1]

یعنے ملک اہل کمال سے خالی ہو گیا اور میں جو شایان سرگروہی نہ تھا سرگروہ بنا میرا سرگروہ یگانہ بننا کیسا اندوہ فزا ہے۔ ادب عربی میں جو مرتبہ اصمعی کا ہے اُس سے اُس سے ایک زمانہ واقف ہے۔ باوجود کلام عرب کے دقائق سے واقف ہونے کے یہ امام ادب کلام اللہ اور حدیث کے معنے بیان کرنے سے بہت بچتا تھا۔ جب اُس سے اس قسم کا سوال کیا جاتا تو اصمعی یہ جواب دیتا کہ عرب اس لفظ کے یہ معنے لیتے ہیں مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتاب اور سُنت میں اس لفظ کے کونسے معنے مراد ہیں[2]
امام ادب ابوالعباس ثعلب کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کسی علمی مسئلے کا جواب چاہا۔ ثعلب کو چونکہ وہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے جواب میں لا ادری کہہ دیا۔ وہ بیچارہ اس امید پہ آیا تھا کہ ان کے پاس اُس کی مشکل حل ہو جائیگی یہاں جو یہ صاف جواب سُنا تو بہت جھنجھلایا اور کہا کہ حضور کی یہ تو شہرت ہے کہ لوگ سفر کر کے حاضر ہوتے ہیں۔ اور علم کا یہ حال کہ ایک ذرا سے سوال کے جواب میں لا ادری ارشاد ہوتا ہے ثعلب نے از راہ ظرافت کہا کہ میرے پاس جتنی لا ادریاں ہیں اگر تمہارے پاس اُتنے اونٹ ہوتے تو تم بڑے مالدار ہو جاتے[3]۔ متنبی زبان عربی کے مشہور شاعر کا واقعہ قتل اس بات کی کہ اُن دنوں سچی بات دلوں پر کیا اثر کرتی تھی کہ ایک بے نظیر مثال ہے۔ ایک مرتبہ شاعر مذکور اپنے وطن کوفہ کو واپس آ رہا تھا۔ جب بغداد کے سواد میں پہنچا

---

۱ (ابن خ ص ۴۶۵) ۲ (ابن خ ص ۲۸۹) ۳ (ابن خ ص ۳۰)

تو خونخوار قزاقوں نے حملہ کیا - اول تو متنبی مع رفقا کے خوب لڑا مگر پھر جان بچا کر بھاگا اُس کے دلیر غلام نے آقا کو بھاگتا دیکھکر کہا کہ جس شخص کا یہ شعر ہو حیف ہے کہ لوگ اُسکی نسبت بھاگنے کا تذکرہ زبان پر لائیں - سہ فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی والحرب والضرب والقرطاس والقلم متنبی یہ سنکر میدان کی طرف لوٹ پڑا اور اتنا لڑا کہ اُسی جگہہ کام آگیا[1] - ابو العلاء اور ابن ابی اسحق دونوں فن ادب کے مشہور امام تھے ایک بار نحو کے علم میں اُن میں باہم مناظرہ ہوا تھا کسی موقع پر ابو العلاء نے یونس نحوی سے اس مناظرہ کا تذکرہ کیا تو صاف دل سے اعتراف کیا کہ اُس مناظرہ میں ابن ابی اسحق قاعدہ ہمزہ میں مجھپر غالب آگئے تھے - اس فصل پر میں نے بعد کو غور کی ہے[2] - ابو زید انصاری سے کسی نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم محرزقی بولتے ہو اور ابو عمرو مخرزق صحیح کونسا لفظ ہے - ابو زید نے کہا کہ چونکہ ابو عمرو کی والدہ شیلی ہیں اور یہ لغت بھی شیلی ہے اس لیے ابو عمرو کا قول زیادہ مستند ہے[3]

شعرا اپنی بلند دماغی اور بے نیازی میں ضرب المثل ہیں - اُنکی نازک مزاجی وہ سردان کمال کے سامنے سر جھکانے کو گوارا نہیں کرتی - جس قرن کا ذکر ہم کر رہے ہیں - اُس کے اثر نے شاعروں کو بھی اچھوتا نہیں چھوڑا تھا - ابو العتاہیہ ایک دفعہ اپنے معاصر بشار سے ملنے گئے اور اثنائے کلام میں بشار سے کہا کہ تمہارے یہ شعر اعتذار کا میں مجکو نہایت پسند ہیں سہ کم من صدیق لی اسارقه البکاء من الحیاء واذا الفطن لامنی فاقول مالی من بکاء ولکن ذهبت لارتدی فطرفت عینی بالرداء - بشار نے کہا کہ اس مضمون میں تقدم کا شرف آپ کو حاصل ہے اور میں آپکا

---

[1] (ابن خلکان ص ۱۲۷) [2] (نزہت ص ۲۳) [3] (نزہت ص ۱۲۲)

سہ گھوڑا رات جنگل حرب و ضرب اور کاغذ قلم یہ سب مجکو خوب پہچانتے ہیں ۱۲

کاسہ لیس ہون اور میرا یہہ شعر تمہارے ہی دریا کا قطرہ ہے چنانچہ آپنے کہا ہے

ہ فقالوا قد بکیت فقلت کلا ٭ وهل تبکی من الجزع الجلید ٭
ولکن قد اصاب سواد عینی ٭ عوید قذی له طرف حدید ٭ فقالوا
فما لدمعهما سواء ٭ کلتا مقلتیک اصاب عود[1] ٭ ایک روز مولانا شمس الدین
رومی سے کسی نے کہا کہ شیخ ابن الوفاء مولانا خسرو کے پاس تو جاتے ہین مگر آپکے
پاس نہین آتے مولانا نے جواب دیا کہ حق بجانب شیخ کے ہے۔ مولانا خسرو عالم
با عمل ہین اس لئے قابلِ زیارت ہین مین نے اگرچہ علم پڑہا ہے مگر سلاطین کی صحبت
مین بیٹھتا ہون اسواسطے قابل زیارت نہین رہا[2]۔

---

1 (ابن خ ص ۷۳) 2 (شق خ ص ۹۴)

عنوان سوم

اختلاف و اتفاق

اس عنوان کے قائم کرنے سے ہمارا مقصود یہ عیان کرنا ہے کہ ہمارے علمائے سلف کا اُن عالمون کے مقابلے مین کیا عمل رہا جو اُن سے عقائد یا جزئیات مسائل مین مخالف تھے۔ بازیادہ صاف الفاظ مین یہ سمجھئے کہ عُلمائے اہل سنت وجماعت کا سلوک دوسرے اہل قبلہ (مثلاً شیعہ و خارجی و مرجیہ و قدریہ) علما کے ساتھ کیسا تھا اور خود اہل سنت وجماعت کے مختلف فرقون کے عُلما کس قسم کا برتاؤ باہم رکھتے تھے۔ آیا عقائد کا اختلاف ایسی حد فاصل خیال کیا جاتا تھا جو ایک کو دوسرے کی صورت سے بیزار۔ اُسکی خوبیون کا منکر۔ اور اُس کے ساتھ ارتباط کو ایمان مین خلل انداز سمجھنے والا بنادیتی یا آنکہ وہ رواداری عقیدہ کو بری چیز قرار دے لینے کے بعد اُن تقدد

صالح جانتے۔ اُنسے احادیث روایت کرتے اور اُنکے علم وفضل کے ماثر وفائد سے مستفید رہتے تھے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہو کہ سچا اسلامی جوش اور خالص دینی حمیت قرون خیر ختم تھی اور نبوت کے عہد پاک کے قرب کی وجہ سے جو آثار صلاح ورشاد ابتدائی صدیون مین تھے وہ لبعد کو باقی نہین رہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی وجہ سے اُن بزرگون کے طریقے اور مسلک کو عین صراط مستقیم اور ٹھیک راہ دین مانا جاتا ہے۔ پس ہمارا حال وخیال اگر سلف صالحین کے حال وخیال کے خلاف ہو تو ہمکو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم راہ صواب سے دور جا پڑے ہین۔ یہ بات طریقہ حق سے بعید ہوگی کہ ہم اُنکے شیوے کو اپنے مسلک کے مخالف دیکھکر از راہ تعصب خلاف حق سمجھین اور اپنے ہی خیال باطل کو عین دینداری تصور کرین۔ ہم نے اس باب مین یا تو تابعین وتبع تابعین کے اقوال وافعال کا حوالہ دیا ہی یا اُن علماے مابعد کے اقوال وافعال کا جو بالاتفاق پیشواے ملت مانے گئے ہین۔ اور مزید احتیاط یہ کی ہو کہ یہ حالات اور اقوال بھی صرف بحوالہ امام ذہبی نقل کئے ہین جو فن رجال واسانید کے مستند امام خیال کئے جاتے ہین۔ اصل مبحث پر بحث کرنے سے پیشتر یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ اگلے علماے ربانی مذہبی جھگڑون اور دینی نزاعون کو کیسا خیال فرماتے تھے۔ آیا اُنکو تمام اصول دین اور ارکان مذہب سے زیادہ مہتم بالشان اور لائق اہتمام سمجھتے تھے۔ یا اُنکو نفرت کی نظر سے ملاحظہ فرماتے اور بربادی وتباہی کا ایک ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ذیل کے اقوال صاف صاف ثابت کر دینگے کہ وہ قدسی گروہ ہمیشہ اِن سے بیزار رہا۔ امام ششم حضرت جعفر صادق ارشاد فرماتے ہین۔ ایاکم والخصومة فی الدین فانها تشغل القلب وتورث النفاق یعنے بچو دین مین جھگڑا کرنے سے اسواسطے کہ دلکو کام کی باتون سے باز رکھتا ہو اور نفاق پیدا کر دیتا ہے۔ صدقت یا ابن رسول اللہ جس بات سے بارہ سو برس پیشتر امام روشن ضمیر نے مسلمانون کو ڈرایا تھا آج اُسکے

دردناک نتیجے اہل دین کے سامنے ہیں۔ اگر اس مقولے پر عمل رہتا تو مسلمانوں کی تاریخ
میں بہت سے شرمناک صفحے نہ لکھے جاتے[1] ۔ شام کے مقتدا امام اوزاعی کا (جو تبع تابعی ہیں۔)
قول ہے کہ اذا اراد اللہ بقوم شرا فتح علیہم الجدل ومنعہم العمل ۔ یعنی جب
کسی قوم کی بربادی خدا تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو ان پر جھگڑے کا دروازہ کھول
دیتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک قوم جھگڑنے
میں خوب چست ہے۔ اور عمل میں سست تو سمجھ لو کہ خدا کی بھیجی ہوئی تباہی اور بربادی ہے
ایک دوسرے تبع تابعی امام حجاج ابن ارطاۃ فرماتے ہیں کہ مساجد میں قطع کی مجلسیں لائی
تو پہنچنے مقصود یعنی میں نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور نہ کبھی ایسے لوگوں کی صحبت
میں بیٹھا جو جھگڑالو ہوں۔ اس قول سے پتا لگتا ہے کہ امام پاک کے نزدیک کبھی شخص یا
فرقے سے بیزار اور اس کی مجالست اختیار کرنے والا کیا بات تھا جو کافی ہے۔ آپ اگر
اس مقولے کو ان کے واقعات سے ملائیں گے تو ایک عام نتیجہ حاصل ہوگا۔ ان اقوال
کو پڑھ کر ایک غلط فہمی طبیعت کو پیدا ہوتی ہے کہ یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ ائمہ دین
نے ہمیشہ طریقۂ باطل کی تردید اور راہ صواب کی تائید فرمائی ہے۔ اور ان کے مناظرے
معتزلہ وغیرہ فرقوں کے علما کے ساتھ تاریخ و فن کلام میں مذکور ہیں۔ پھر کیونکر مذہبی مناظرہ
کو مورث نفاق اور باعث بربادی کہا جا سکتا ہے۔ اس شبہ میں ایک افسوسناک غلط
مبحث ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اختلاف و خصومت میں فرق نہیں کیا جاتا اور ہم علمائے
سلف کے اختلاف کو نزاعوں پر قیاس کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ ابن سعید جو اکابر تابعین میں ہیں کسی خوبی سے اختلاف و نزاع کا امتیاز ظاہر
فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اہل العلم اہل توسعۃ ما برح المفتون مختلفون

اور صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین میں جو بنیادی باتوں کو سمجھنے اور حقائق امور کو سمجھنے میں اختلاف ہوا ... ان باتوں میں جھگڑا اور خود نہیں کیا ... خود بازی اور دوسرے ... کے ساتھ ... [illegible]

1۔ (تنقیح ص ۱۲۴)

فیصل بعضنا ویحکم بعضنا ولا یعیب بعضنا علی بعض اعلی بعض یعنی علماء اہل سنت مین
او مفتی ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہے ہین۔ یہانتک کہ ایک ایک چیز کو حلال بتاتا ہے
دوسرا اُسی کو حرام کہتا ہے مگر یہ اُسکی عیب گیری نہین کرتا اور وہ اسکی۔ اس مقولے مین
جہانتک کہ میری فہم ناقص مین آیا ہے

ویحکم بعضنا ایک اختلاف کی حالت ہے اسکے بعد جدال وخصومت کا بیان ہے۔ قول ہذا مین
تین پہلو دکھلائے گئے ہین سب سے اول گروہ علما کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اُنکے
خیالات مختلف ہوتے ہین۔ اسکے بعد یہ بتلایا ہے کہ اُن مین باہم اختلاف ہوتا رہا ہے پھر
یہ بتایا ہے کہ انکا اختلاف باوجود اپنی سنگینی کے عیب گیری کی حد تک نہین پہونچتا ہے۔ اس
سے نتیجہ اخذ کرتا ہون کہ جو اختلاف کشادہ دلی کے ساتھ بے شائبہ عیب گیری ہو وہ صالحین کا
طریقہ ہے اور اسی کو رحمت فرمایا گیا ہے۔ اور جو بہت تنگدلی اور عیب گیری کے پیرایے
مین ہو وہ خصومت ہے اور اسی سے بچنے کی تاکید اللہ جل شانہ نے فرمائی ہے آج کل مسلمانون
مین جتنے اختلاف ہو رہے ہین انکو اسی معیار کے بموجب پرکھنا چاہیئے اور جس قسم مین وہ
داخل ہون اُسکے احکام انپر جاری کئے جائین۔

جزئیات مسائل کا اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے مین شروع ہو گیا تھا
شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے رسالہ انصاف مین یہ اختلاف اور اُسکے اسباب کسی قدر بسط
کے ساتھ بیان فرمائے ہین ہم اُسکی چند مثالین جو طبقات الخلفا مین نظر پڑین یہان
درج کرتے ہین حضرت عمر رضی کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت صلعم سے احادیث کم روایت کیجائین۔
بعض صحابیون کا مسلک اسکے خلاف تھا۔ اسی اختلاف کی وجہ سے خلیفہ ثانی نے تین
جلیل القدر صحابہ حضرت ابن مسعود وابو الدرداء وابو مسعود کو نظربند رکھا اور فرمایا کہ تم نے

آنحضرت سے حدیثیں بہت روایت کردیں۔[1] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ خلیفہ ثانی حضرت
اُبیؓ کی بہت تکریم کرتے تھے آپ نے ضرورت کے وقت فتویٰ لیتے بلکہ انکی ہیبت
مانتے۔ باوجود اسکے صحابی ممدوح کے ہمراہ ایک بار ایک جماعت دیکھکر انکے مارنیکو
درہ اٹھایا۔ حضرت اُبیؓ نے کہا دیکھو کیا کرتے ہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ امیر المؤمنین نے
فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ یہ جماعت سرگردہ کے لئے باعث فتنہ اور تابع کیواسطے
موجب ذلت ہے۔[2] حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابوذر کو فتویٰ دینے
کی ممانعت کردی گئی تھی۔ اسکے بعد وہ کئی برس زندہ رہے اور ۳۲ھ میں بمقام
ربذہ انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ۔[3] کیا اس بیان کی حاجت ہے کہ صحابۂ کرام میں ان
جزئی اختلافات کے ساتھ اتفاق کیسا تھا۔ تابعین کے زمانے میں اختلاف عقائد بھی
شروع ہوگیا تھا۔ اور معتزلہ و قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوگئے تھے۔ اُس عہد میں
بہت سے اسلامی فرقے ایسے موجود ہوگئے تھے جنکا اب نام و نشان بھی نہیں اور
صرف کتابوں میں ذکر رہگیا ہے۔ اُس دَورِ پاک میں مسلمانوں کے حوصلے بلند
تھے اور جو کام وہ کرتے تھے اُس میں جوش و ہمت کا پورا جلوہ ہوتا تھا۔ اسی لئے
یہ تازہ وارد فرقے بھی اپنے عقائد کی اشاعت میں پوری کوشش و سعی سے
کام لے رہے تھے۔ ہمارے علمائے کرام ادھر تو ملت حقہ کی حفاظت و حمایت
میں جان لڑا رہے تھے اُدھر انہیں مخالف العقیدہ علما کی مرتبہ دانی اور حق شناسی
میں نہایت کشادہ دلی سے مصروف تھے۔ اُنکے حالات پڑھکر اس کشادہ دلی کی کوئی
حد معلوم نہیں ہوتی۔ تین قسم کے دلائل سے ہم اپنے اس دعوے کو ثابت کرسکتے ہیں

۱ (تنقیح ص ۷) ۲ (تنقیح ص ۵ و ۷) ۳ (تنقیح ص ۱۷)

اوّلاً[۱] علماء ممدوح نے اُنسے علم دین حاصل کیا اور اُنکو روایت حدیث کا اہل سمجھا حضرت قتادہ کی جو جلالت شان حدیث مین ہے۔ اُس سے کون واقف نہین۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اُنکے شاگرد ہوئے ہین۔ عقیدۃً وہ قدری[ع۵] شدید تھے امام ذہبی فرماتے ہین کہ باوجود اُنکے اس عقیدۂ ردی کے کسی نے اُنکی روایت کو مستند ماننے مین پس و پیش نہین کیا[۱]۔ امام مغیرہ تابعی عثمانی تھے اور حضرت خلیفہ چہارم پر گونہ معترض۔ تاہم شعبہ اور ابوعوانہ وغیرہ جلیل الشان امامون نے اُنسے حدیثین روایت کی ہین۔ امام احمد اون کی نسبت فرماتے ہین صاحب سنۃ اور احمد عجلی نے اُنکو ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے[۲]۔ عمرو ابن مرہ تابعی کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ مرجیہ[ع۵] تھے۔ پھر بھی ایک جماعت نے اُنکی توثیق کی ہے[۳]۔ ہشام دستوائی قدری تھے۔ امام ابن سعد اُنکے بارے مین فرماتے ہین کہ کان ثقۃ حجۃ الا انہ یری القدر یعنی وہ ثقہ اور حجت تو تھے مگر قدری تھے[۴]۔ سعید ابن عروبہ بھی فرقۂ قدریہ مین سے تھے۔ فن رجال کے دو مشہور و عالی درجہ امامون نے اُنکے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ یعنی حضرت یحیٰی ابن معین اور امام نسائی نے[۵]۔ حافظ ابونعیم فرماتے ہین کہ مین نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا مگر حسن ابن صالح سے افضل کسی کو نہین پایا۔ اُنکے عقیدے کی نسبت امام ذہبی فرماتے ہین کان فیہ خارجیۃ یعنی اُنہین خارجیت تھی[۶]۔ امام ابوسہل سلی

۱(تذج۱ ص ۱۱۰) ۲(تذج۱ ص ۱۲۰) ۳(تذج۱ ص ۱۰۰) ع۵ فرقہ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال خیر و شر کا خالق قادر ہے ۱۲ الملل والنحل ع۵ فرقہ مرجیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان کی حالت مین کوئی معصیت مضر نہین جیسے کفر مین طاعت مفید نہین ۱۲ الملل والنحل

۴(تذج۱ ص ۱۴۰) ۵(تذج۱ ص ۱۶۰) ۶(تذج۱ ص ۱۹۵)

شیعی تھے۔ اور اسی جرم میں خلیفہ ہارون رشید نے انکو قید کر دیا تھا۔ امام ذہبی اونکے احوال میں تحریر کرتے ہیں۔ متفق علی الاحتجاج بہ یعنی انکے حجت ہونے پر سبکو اتفاق ہے۔[1] محمد ابن فضیل کوفی بھی شیعی تھے۔ حضرت یحیی ابن معین نے انکی توثیق فرمائی ہے اور امام احمد انکی نسبت فرماتے ہیں حسن الحدیث شیعی[2] حافظ حدیث ابو معمر قدری تھے اسپر بھی امام بخاری نے آپسے حدیث روایت کی ہے۔[3] عبد اللہ ابن موسی فرقہ شیعہ کے علمائے کبار میں تھے۔ آپسے بھی امام بخاری نے روایت فرمائی ہے۔[4] ابن الاخرم امام شعرانی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ صدوق غال فی التشیع یعنی سچے ہیں اور تشیع میں غالی۔[5] شیخ الاسلام انصاری ایک جلیل القدر امام حدیث کی نسبت اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں وہ قابل شنید ہیں۔ ثقۃ فی الحدیث رافضی خبیث۔[6] یعنی حدیث میں ثقہ رافضی خبیث ہیں۔ حضرت یحیی ابن معین اس مرحلے کو انتہا تک پونہچاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لو ارتد عبد الرزاق ما ترکنا حدیثہ یعنی اگر عبد الرزاق مرتد بھی ہو جائے[7] تو بھی ہم انکی روایت کردہ حدیث کو نہ چھوڑینگے۔ ان اقوال و افعال کو آپنے ملاحظہ فرمایا۔ علمائے مخالف العقیدہ خواہ قدری خواہ خارجی۔ مرجیہ تھے یا شیعہ۔ کبار علمائے شیعہ میں سے تھے۔ یا شیعہ غالی و رافضی خبیث مگر جب انکو ہمارے علمائے کرام نے ثقہ حجت۔ صدوق۔ صاحب سنت اور افضل پایا تو انکو ایسا ہی کہا اور ایسا ہی مانا اور انکی روایت کی ہوئی حدیثوں کو آنکھوں سے لگایا اور دل میں رکھا۔ ہم تو حیرت میں ہیں کہ ایک شخص کو رافضی خبیث کہیں اور پھر ثقہ بتائیں۔ یہ ضدین

---

۱ (تذ ج ۱ ص ۲۳۸) ۲ (تذ ج ۱ ص ۲۰۸) ۳ (تذ ج ۲ ص ۷۷) ۴ (تذ ج ۱ ص ۳۲۴)
۵ (تذ ج ۲ ص ۲۰۲) ۶ (تذ ج ۳ ص ۲۴۷) ۷ تذ ج ۳ ص ۱۴۳)

کیونکہ جمع ہوئیں۔ اور دوسرے شخص کو یہ فرض کرنے کے بعد بھی کہ وہ مرجیہ ہوجانے اُسکی روایت کردہ احادیث کے ترک کرنے کو گوارا نفرمایا ہیں۔ یہ مشرق و مغرب کا اجتماع کیسا۔ سچ یہ ہے کہ یہ معماجو اسی صدی میں حل ہونا بعید و شوار ہے اسکو حل کرنے والے وہی بزرگ تھے جنکی قوت ایمانی نے اُنکے قلوب کو تعصب سے پاک اور حق کا شیدا بناد یا تھا۔

ثانیاً[2] اُنکے فضل و کمال کی تعظیم کی کہ حضرت عکرمہ (جنکا عقیدہ خوارج کی جانب مائل تھا) جب بصرے تشریف لیجاتے تو حضرت خواجہ حسن بصری فتوی دینے اور درس تفسیر سے دست کشیدہ ہوجاتے اور جبتک اُنکا وہاں قیام رہتا خواجہ صاحب اسی برتاؤ کو قائم رکھتے[1]

ثالثاً[3] علوم ظاہر سے گذر کر اُنکی روحانی عظمت کا اعتراف کیا۔ امام ابراہیم ابن طہمان (جنسے امام اعظم نے سماعت حدیث کی تھی) عقیدے کے مرجیہ شدید تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ امام احمد ابن حنبل بوجہ ضعف علالت تکیے کے سہارے سے بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں کسی نے ابن طہمان کا تذکرہ چھیڑا۔ امام ربانی یہ سنتے ہی سنبھلکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جس مجلس میں صُلحا کا ذکر ہو اُس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا روا نہیں[2] خداوند السے پاک نفس بزرگ اب کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ منصور ابن زاذان جلیل القدر تابعی تھے۔ امام ذہبی نے اُنکا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔ کان ثقۃ حجۃ صالحا کبیرالشان جب حضرت خواجہ حسن بصری نے رحلت فرمائی تو تابعی ممدوح نے علی ابن زید سے (جو شیعہ تھے) فرمایا کہ تم حسن بصری کی جگہ بیٹھو[3]۔ اس موقعہ پر اگر یہ غور سے دیکھا جا

---

1 (تذکرہ ج ا ص ۸۸) 2 (تذکرہ ج ا ص ۱۹۲) 3 (تذکرہ ج ا ص ۱۲۶)

کہ حضرت حسن بصری کی جگہ کیا جگہ تھی تو اس واقعے کی قوت انتہا کو پہونچتی ہے۔ اس بحث میں اب صرف ایک امر فیصلہ طلب باقی ہے۔ وہ یہ کہ آیا ان فرقوں میں عقیدے کی سختی اور شدت اُس عہد میں اسی حالت میں تھی جیسی آج ہے یا بجائے سختی کے اعتدال تھا ضمنی طور پر اوپر کے بعض حصوں کے الفاظ سے سختی کا پتا لگتا ہے لیکن ہم واقعات کی مدد سے بالتصریح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ شیعیت میں جو سخت سے سخت بدعت ہے وہ شتم صحابہ ہے۔ معاذ اللہ من ذلک دوسری صدی ہجری میں یہ ناسزا طریقہ اس فرقے میں رائج ہو گیا تھا۔ اور عوام میں نہیں بلکہ خواص میں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ شیخ حدیث ابو الاحوص کا مکان جب محدثین سے بھر جاتا تو وہ اپنے بیٹے سے فرماتے کہ دیکھو ان میں جو شتم صحابہ کرتا ہو اُسکو نکالدو۔ (وفات ابو الاحوص ۱۷۹ھ[1]) دوسرے واقعے سے منکشف ہوتا ہے کہ اسی عہد میں قدریت بھی سنگین پیرایہ اختیار کر چکے تھے۔ امام ابو اسحق فزاری جب دمشق میں آئے تو ابو المسہر سے فرمایا کہ کہدو کہ جو قدری ہو ہماری محفل سے چلا جائے۔ (وفات ابو اسحق ۱۸۵ھ[2]) ان دونوں واقعوں سے معترضین کچھہ نفع نہیں اوٹھا سکتے۔ اس لئے کہ جن بزرگوں کے اقوال و حالات سے ہم نے استدلال کیا ہے اونکے مقابلے میں امام ابو الاحوص و ابو اسحٰق رح کی رائے فروغ نہیں پا سکتی۔

اختلاف عقاید کی صورت میں جب ہمارے علما نے اپنے مخالفین سے حسن سلوک پیش نظر رکھا تو ظاہر ہے کہ اختلاف جزئیات مسائل اُنکے مزاجوں پر کب موثر ہو سکتا تھا۔ اور اس لئے اس قسم کی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہم تذکرۃ

[1] تذکرۃ ص ۲۲۷، [2] (تذکرۃ ص ۲۴۸)

چند حالات گذارش کرتے ہین - آج کل خود اہل سنت وجماعت کی مختلف فرقے باہم ایسا ہی
اختلاف اور شرارت کا برتاؤ کر رہے ہین جیسا وہ خلاف اہل سنت فرقون کے ساتھ
رکھتے ہین - پس یہ چند مثالین بہی خالی از نفع نہونگی - امام قدوری حنفی اور شیخ ابو حامد اسفرائنی
شافعی کے مابین ہمیشہ مناظرہ رہتا تہا - مگر شیخ شافعی کا فضل وکمال امام حنفی کی نظرون مین
سمایا ہوا تہا اور اسلئے وہ اُنکی نہایت تعظیم کرتے تھے[1] - فقیہ عماد الدین شافعی اور قاضی القضاۃ
ابو طالب زینبی حنفی آپس مین سخت مخالف تہے - شافعی فقیہ کو پیام اجل قاضی القضاۃ سے پہلے آگیا
چونکہ ابو طالب کا ایک مخالف دنیا سے کم ہوگیا اس لیے اُنکو بظاہر خوشی کا موقع تہا لیکن جب
زینبی اُنکے دفن سے فارغ ہوئے تو اُنکی قبر کے پاس کہڑے ہوکر حسرتناک یہ شعر پڑہا ؎
عقم النساء فلا یلدن شبیہہ ٭ ان النساء بمثلہ عقم[2] - خواجہ حسن بصری اور امام ابن سیرین
مین باہم کسی وجہ سے بدمزگی ہوگئی تہی - اسی بے لطفی کے سبب سے امام ابن سیرین خواجہ صاحب
کے جنازے کے ساتھ تشریف نہین لے گئے - ایک روز کسی شخص نے آکر اُنسے بیان کیا
کہ مین نے خواب مین دیکھا ہے کہ ایک جانور مسجد کا سب سے زیادہ خوشنما سنگریزہ اُٹھا لیگیا -
ابن سیرین نے فرمایا کہ تیرا یہ خواب سچا ہے تو حسن بصری کی وفات قریب ہے چنانچہ چند ہی روز
بعد اُس سرگروہ اصفیا نے وفات پائی[3] - اس واقعہ سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ باوجود اُس قدر کشیدگی
کے امام ابن سیرین نے خانۂ خدا کا نفیس سنگریزہ خواجہ صاحب ہی کو بتایا - اس بحث مین ہم ایک
پُرمذاق قصہ نقل کرتے ہین - اخفش امام نحو اور ابن رومی شاعر مشہور کے مابین چشمک ہوگئی تہی
ابن رومی بہت ضعیف الاعتقاد تہا اور بدشگونی سے بہت ڈرتا تہا - اخفش کبھی کبھی اُسکے دروازہ
پر علی الصباح پہونچتا اور کچھ نحس کلمے کہکر چلا آتا - ابن رومی پر اسکا اس قدر اثر پڑتا کہ سفر

۱ (ابن ج۱ ص ۴۰) ۲ (ابن ج۱ ص ۳۴۰) ۳ (ابن ج۱ ص ۱۲۹)

وہم کی بنا پر دن بہر گہر سے باہر نہ نکلتا جب وہ تنگ آگیا تو اُسنے بھی اپنا حربہ سنبھالا اور اخفش
کی ہجو کہنی شروع کردی ع کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا + اخفش جو کلام فصیح پر شیدا تہا اپنی ہجو کو اُس
کو اُنکی خوبی اور روانی کلام کی وجہ سے حفظ کرلیتا۔ اور مجالس[۱] املا مین جہان اور اُستادون کے شعر
سندین پیش کرتا وہان اشعار بالا کو بہی موقع موقع سے سناتا جاتا۔ اور فخریہ کہتا کہ چلو ابن رومی نے
اس گمنام کو یاد تو کیا۔ اگرچہ ہجو کی ساتھ ہی سہی۔ بگڑدل شاعر نے جو یہ قصہ سنا تو بلکہ ہجو کا کہنا ہی چہوڑ دیا۔

حیف کہ یہ پستی زمانہ بہت دن تک مسلمانون مین قائم رہکر آخر انجہانی ہوگیا۔ اور نہ اُنکی درنوا
امت مرحومہ پر علما کے کہل گئی یہ حصر کیا تہا۔ قدری و جبری تو ایک طرف رہے خود اہل سنت و جماعت کے ناجی
فرقون مین وہ وہ جھگڑے ہوئے کہ گوشت و خون تک نوبت پہونچی۔ بہت سے پیشوایان ملت نے خود سنیون کے
ہاتہون سے ایسی ایسی اذیتین برداشت کین جنکو سُنکر دل کانپ اُٹھتا ہے۔ امام زاہد شیخ الاسلام
انصاری نے جو حنبلی تہے حنفیہ اور شافعیہ علما کے ہاتھون کیا کیا مصیبتین نہین اوٹھائین۔
پانچ مرتبہ ننگی تلوار اُنکی گردن پر رکہی گئی۔ وطن چہوڑ کر بلخ جانا پڑا۔ سلطان الب ارسلان
جب ہرات پہونچا۔ تو مشایخ شہر ایک بہانے سے شیخ الاسلام کے خلوت خانے مین گئے اور اُنکی سجادے
کے نیچے ایک تانبے کی مورت رکہدی اور سلطان سے مخبری کی کہ ابو اسمٰعیل مجسمیہ فرقے کے پیرو
ہین اور اونہون نے اپنی محراب مین ایک بُت رکھ چہوڑا ہے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے۔ کہ شیخ الاسلام
وہ بزرگ عالی درجہ ہین جن کی شان و عظمت کا اہل ظاہر و باطن دونون نے
اعتراف کیا ہے۔ حافظ کبیر ابو نعیم صاحب حلیہ جنکا نام آج تک ادب کے ساتھ
لیا جاتا ہے۔ اُنکی ایک زمانے مین یہ حالت تھی کہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے
لوگون نے اُنسے ملنا چہوڑ دیا تہا۔ اُس زمانے مین حنبلیون اور اشاعرہ مین

۱ (ابن خ ص ۳۳۲) ۲ (تذ ج ۳ ص ۲۷۳ و ۳۷۹)

اِس قدر تعصب بھرکا ہوا تھا کہ روز فتنہ و فساد برپا رہتا تھا - ایک دن جب حافظ ابو بکر ابن علی کی مجلس املا ختم ہو گئی تو ایک بیچارے شخص نے کہین یہ کہدیا کہ جسکو ابو نعیم کی مجلس درس مین جانا ہو وہ اُٹھے - یہ کہنا تھا کہ اوسکی شامت آ گئی - مجلس مین یہ سنتے ہی ایک ہنگامہ مچ گیا اور سارے اصحاب حدیث قلم تراشین لے لیکر اُس مصیبت زدہ پر دوڑ پڑے - قریب تھا کہ وہ اُسی موقع پر قتل ہو جائے - خدا خدا کر کے اُسکی جان بچی[1] - ہم انھین دو مثالون پر اکتفا کرتے ہین اور اِس سے زاید یہ قابل ماتم قصے بیان کرنا نہین چاہتے حیف یہ ہی کہ جب کبھی جو کچھ کیا گیا ہمیشہ اُسکا نام نصرت دین اور حمایت ملت ہی رکھا گیا - اگر ہم اِس باب کے اول اور آخر واقعات کو ملائین تو صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اختلاف و اتفاق کیلئے مذہب و عقاید کے اور بہی بہت سے اسباب ہین - عنوان ہذا کو ہم ذیل کی نتیجہ خیز حکایت پر ختم کرتے ہین - نحو کا امام یزیدی ایک روز امام ادب خلیل بصری سے ملنے گیا - خلیل اُس وقت ایک وسادہ (گدے) پر متمکن تھے - یزیدی کو آتا دیکھکر ایک طرف کو ہو بیٹھے اور وسادہ کا ایک حصہ خالی کر دیا - یزیدی نے بیٹھکر کہا کہ مین خیال کرتا ہون کہ میری وجہ سے آپ تکلیف سے بیٹھے ہین - یہ سنکر اُس ادیب بے نظیر نے یہ لاجواب جواب دیا - ما ضاقت موضع علی اثنین متحابین والدنیا لا تسع اثنین متباغضین - یعنی دو دوستون کیلئے کوئی جگہ تنگ نہین اور دو دشمنون کیلئے سارے جہان مین بہی وسعت نہین[2] -

[1] (تذ ج ۱ ص ۲۹۳ و ۲۹۴) [2] (ابن ج ۱ ص ۳۳۰)

عنوان چہارم

حسن معاشرت

علمای سلف کی طالب علمی، حق پسندی، اور حالت اتفاق و اختلاف سے ہم بحث کر چکے۔ اور جیسی کچھ بحث کی گئی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ ایک نہایت ضروری پہلو پر ہنوز بحث باقی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے علما نے دنیا مین کس طرح بسر کی اور اپنی معاش کو کس طور پر حاصل کیا۔ اُنکے صفات کی تکمیل ایک حد تک اس موضوع پر منحصر ہے۔ دنیا اور اسکے معاملات اگر لغو ہوتے تو پانچون وقت کی نمازین دین کی بھلائی سے پہلے دنیا کی بھلائی کی دعا نا مانگی جاتی اور فقہ کی کتابون مین صرف عبادات کے ابواب ہوتے معاملات کے پیچیدہ مسائل کا ذکر نہوتا علما جب دنیا مین رہے۔ اور دنیا کے تعلقات اُنھون نے پیدا کیے۔ کسی انسان کے محکوم بنے کسی کے حاکم۔ مختلف مشرب و خیال کے آدمیون سے مل جل کر اس عالم مین رہے تو فطرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُنھون نے ان تعلقات کو کیسا نباہا۔ آیا سلیقے اور خوبی سے سب کے حقوق ادا کیے یا اُنکو تسامح اور بے پروائی کی نذر کر کے اُسکا دل خوش کن نام استغنا رکھا۔ ایمہ مجتہدین نے جو موشگافیان مسائل معاملات مین کی ہین اور جو آسان راہین کاروبار کے متعلق نکالی ہین وہ اس امر کی زبردست شہادت ہین کہ

اعلی درجے کے معاملہ فہم اور معاملات دُنیا پر غور فرمانے والے تھے۔ اس عنوان مین سب سے اول ہم یہ دیکھینگے کہ علمای سلف نے اپنی معاش کن ذرائع سے پیدا کی اُسکے بعد یہ بحث کرین گے کہ اُنکے تعلقات مُلوک و رعایا کے ساتھہ کیسے رہے۔ آخر مین اُنکے مختلف حالات ایسے لکھین گے جنسے کسی نہ کسی پہلو سے اُنکے طرز معاشرت پر روشنی پڑیگی

کسب معاش

تجارت

تجارت مسلمانون کا مقدس پیشہ ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ سارے مسلمانون مین افضل صحابہ کرام تھے اور صحابہ مین مہاجرین کو فضیلت تھی۔ اور مہاجرین مین قریش کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا۔ قریش کا خاص پیشہ تجارت تھا جسکا ذکر کلام پاک مین جا بجا موجود ہے۔ علماے سلف مین جن بزرگون نے معاش قوت بازو سے حاصل کی اُن کا رُجحان خاطر اکثر تجارت کی طرف رہا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل مین ایک جدول کے ذریعے سے اُن علما کے نام نامی مع اُس مال کے جسکی وہ تجارت فرماتے تھے عرض کرتے ہین۔ اِس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے بڑے علمای اُمت نے تجارت کے وسیلے کسب معاش فرمایا تھا۔

نمبر	اسماے علما	مال تجارت	کیفیت
۱	حضرت سالم ابن عبداللہ	۰	بازار مین لین دین کیا کرتے تھے (تذ ج ۱ ص ۷۷)
۲	امام یونس ابن عُبید	ریشمی پارچہ	(تذ ج ۱ ص ۱۳۰)
۳	داؤد ابن ابی ہند	ریشمی پارچہ	(تذ ج ۱ ص ۱۳۱)

نمبر	اسمائے علما	مال تجارت	کیفیت
۴	امام ابوحنیفہ	ریشمی پارچہ	امام ممدوح کی صدہا دوکان کوفے میں تھی اور اُنکے ایجنٹ جابجا ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو اُن خرید کردہ کو بھیجتے تھے تذہ ص ۱۵۱
۵	حضرت عبداللہ ابن مبارک	•	امام ذہبی اُنکا ذکر یوں شروع کرتے ہیں الامام التاجر السفار دوسرے موقع پر فرماتے ہیں انفق عمرہ حاجا و تاجرا۔ تذہ ص ۲۵
۶	حافظ الحدیث عبد بصری	چاول و ستی تاجر	(تذہ ص ۲۷۵)
۷	عبدالرزاق حمیری	•	امام ذہبی فرماتے ہیں رحل تجارۃ الی الشام۔ تذہ ص ۳۴۴
۸	حافظ الحدیث فضل کوفی	•	(تذہ ص ۳۴۱)
۹	حسن بن ربیع کوفی استاد امام بخاری	بوریئے	اسی تجارت کی وجہ سے اُنکا لقب بواری ہے۔ تذہ ص ۴۴
۱۰	امام ابوالحسین نیشاپوری	•	(تذہ ص ۱۰۱)
۱۱	ہشام دستوائی	پارچہ	دستوا اہواز (عراق عرب) کا ایک گاؤں تھا وہاں سے کپڑا لاکر فروخت فرماتے تھے اسی لئے دستوائی لقب پڑ گیا۔ تذہ ص ۱۴۷
۱۲	امام ابن جوزی	تانبا	اُنکے گھرانے میں تانبے کی تجارت ہوتی تھی۔ آپ کبھی کبھی اپنے نام کے آگے صفار (ٹھٹیرا) لکھ دیتے۔ تذہ ص ۱۴۷
۱۳	حافظ الحدیث ابن رمیہ	ادویہ	اسی تجارت کے سبب سے اُنکا لقب عطار ہو گیا تھا تذہ ص ۲۱
۱۴	ابو یعقوب لغوی	چوبی لٹھا	(ابن جہ ص ۳۱۵)
۱۵	محمد ابن سلیمان	گھوڑے	(تذہ ص ۱۰۸)

حرفت

جن علمای سلف نے اپنی معاش حرفت کے ذریعے سے حاصل کی اور اُنکے نام ہمکو معلوم ہو سکے اُنکے نام اور کام نیچے کے نقشے میں درج کئے جاتے ہیں۔

نمبر	اسمائے علما	نام حرفت	کیفیت
۱	ابو الفضل مہندس دمشقی طبیب مشہور	نجاری	اس فن میں وہ بہت ماہر تھے اور کثرت سے کام اُنکے پاس آتا بیمارستان کبیر شاہی شفاخانے کے اکثر دروازے اُنکے ہاتھ کے بنے تھے جامع مسجد دمشق کی گھڑیاں (ساعات) اُنھوں نے درست کی تھیں اور اُنکی نگرانی کے متعلق اُنکو تنخواہ ملتی تھی۔ عیون ج ۲ ص ۱۹۱
۲	ابن طاہر	کتابت	صحیحین اور ابو داؤد سات سات بار اور سنن ابن ماجہ دس بار اجرت پر لکھی۔ تذ ج ۴ ص ۴۰
۳	امام ابو الولید باجی	تار دبکسا	(تذ ج ۳ ص ۱۷۳)
۴	ابو سعید نحوی	کتابت	دس ورق روزانہ لکھتے تھے۔ یہ کام کرکے عدالت قضا میں اجلاس کرتے۔ انھیں اوراق کی اُجرت پر بسر اوقات ہوتی۔ نزہت ص ۱۸۳
۵	ابن الہیثم طبیب نامور	کتابت	تین کتابیں سال بھر میں لکھتے مجسطی متوسطات اور اقلیدس اُنکی قیمت ڈیڑھ سو اشرفی لیتے اور اُنہیں روپیوں پر بسر کرتے۔ (عیون ج ۲ ص ۹۱)
۶	امام ابن الخاضبہ	کتابت	(تذ ج ۴ ص ۲۴)

ملازمت

ملازمت اس لحاظ سے کہ وہ انسانی آزادگی پر ایک ٹکس اور بھاری ٹکس لگانے والی ہے اُن مزاجوں کو راس نہیں جو سارے عالم کے بکھیڑوں سے ایک علم کے خاطر

آزاد اور بے تعلق رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ابتداءً ہمکو اس سے مایوسی تھی کہ ہم اس حصۂ عنوان ہذا کو معمور کرسکیں گے۔ مگر واقعات نے ہماری مایوسی کو بدگمانی ثابت کیا اور حالات نے بتلایا کہ علماے سلف نے علمی شان کو قایم رکھکر اعلی سے اعلی دنیاوی عہدے حاصل کیے اور اونکے فرائض قابل ستائش طریقے سے انجام دیے ہیں۔ ہم ذیل میں چند اُن عُلما کے اسم گرامی درج کرتے ہیں جو عہدۂ جلیلۂ وزارت تک ترقی کرکے پہونچے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے کم درجے کے عہدے بھی اُنکی ذات سے ممتاز رہتے ہونگے۔

نمبر	اسماے عُلما	کس بادشاہ کے وزیر رہے	کیفیت
۱	امام ابوالفضل ابن خزابۂ بغدادی	ملک کافور والی مصر	امام دارقطنی نے اُنسے روایت کی ہے اور حافظ شارح اونکی نسبت فرماتے ہیں۔ کان من الحفاظ الثقات۔ و یسرد فی حالة الوزارة (تذ ج۳ ص ۲۲۶ و ۲۲۷)
۲	قاضی علامہ ابن نظیر	.	تذ ج۳ ص ۲۶۳
۳	امام ابن حزم	خلیفہ مستظہر باللہ	تذ ج۳ ص ۳۲۴
۴	امام لغت و نحو اقلیلی	مکتفی باللہ خلیفہ اندلس	ابن ج۱ ص ۱۲
۵	کمال الدین فقیہ شافعی	نور الدین زنگی والی شام و مصر	قاضی ابن خلکان اُنکی نسبت کہتے ہیں۔ کان عظیم الریاسة خبیرًا بتدبیر الملک۔ ابن ج۱ ص ۴۲۲
۶	مولانا تاج الدین ابراہیم پیشائیں الوزراء	سلطان بایزید یلدرم	شق ج۱ ص ۱۳۱

تلاش سے اور بھی مثالیں اسکی مل سکتی ہیں مگر نمونہ کیلئے اسی قدر شاید کافی ہونگی کم درجہ کی ملازمتیں اختیار کرنے سے بھی علما کو احتراز نہیں رہا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ امام اسمٰعیل جو امام اوزاعی کے استاد ہیں خلیفہ منصور کے توشہ خانہ (ذخرائنہ الثیاب) کے داروغہ تھے۔ اسی سلسلہ میں ہم کچھ نظیریں اُن علما کی پیش کرنا چاہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً ایک دربار کی جانب سے دوسرے دربار کو بطور سفیر تشریف لیگئے۔ سب سے زیادہ قابل غور امام شعبی اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی مثالیں ہیں۔ اول الذکر میں یہ امر لائق لحاظ ہے کہ جس دربار کو سفارت لیگئے وہ غیر مسلم دربار تھا۔ اور دوسرے میں وہ تفرد اور تجرید قابل ملاحظہ ہے جو سرگروہ سلسلۂ سہروردیہ کو دنیاوی تعلقات اور علائق سے تھی۔ یہ مثالیں ثبوت اس امر کی ہیں کہ علمائے کرام کو ہر حال میں مسلمانوں کی مصالح دینی کے ساتھ دنیاوی مصلحتوں پر نظر رہی ہے۔ اور دونوں کو انہوں نے قابل توجہ خیال فرمایا ہے۔

نمبر	اسماے علما	کس دربار کیجانب سے سفیر ہوے تھے	کس دربار میں گئے	کیفیت
۱	امام شعبی	خلیفہ عبدالملک اُموی	قیصر روم	قیصر کے دل پر انکی دانشمندی کا بہت اثر ہوا اور اُسنے خلیفہ کو لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے مسلمانوں نے کیوں دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا۔ جب واپس آئے پر خلیفہ نے یہ فقرہ امام شعبی کو سنایا تو آپنے کہا اور کیا خوب کہا کہ قیصر نے مجکو تو دیکھا مگر آپکو نہیں دیکھا۔ آپکو

(۱) تذ۔ ح ص ۲۳۰

				دیکھ لیتا تو ایسا نہ لکھتا - تذکرہ ج ص ۸۴
۲	شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی	دیوان عزیز یعنی دربار بغداد	دربار اربل	ابن خ ج ص ۴۵۱
۳	حافظ ابن ماکولا	دیوان عزیز	طغاتمار والی سمرقند	تذکرہ ج ۳ ص ۵
۴	امام ابوالمحاسن قریشی	دیوان عزیز	نورالدین زنگی	اسوقت انکی عمر ۳۰ برس کی تھی - تذکرہ ج ۴ ص ۱۵۸
۵	امام ابو یعقوب شیرازی	دیوان عزیز	متعدد دربار	تذکرہ ج ۴ ص ۱۵۰
۶	محمد ابن سلامہ قضاعی	دربار مصر	دربار روم	حمیدی نے ان سے روایت کی ہے - ابن خ ج ۱ ص ۶۲
۷	کمال الدین فقیہ شافعی	خلیفہ مستضیٔ باللہ	قلیچ ارسلان والی روم	ابن خ ج ۱ ص ۴۷۲
۸	علامہ تفتازانی شارح تجرید	مرزا الغ بیگ والی سمرقند	سلطان محمد خان فاتح	ان دونوں سلطنتوں میں نزاع تھا اسی کو بھیجے گئے تھے - انکی حسن سعی سے صلح ہو گئی - شقائق ج ۱ ص ۱۷۷

تمول

اہل کمال کیلئے مالدار ہونا انکی خوبی میں داخل نہیں اور نہ اس کے عدم یا وجود سے انکی عظمت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے - باایں ہمہ متمول ہونا اور با کمال ہونا یہ دونوں صفتیں باہم منافی بھی نہیں - حالات خاص سے اسکا مخالف پہلو ذہنوں میں راسخ کر دیا ہے اور اس پہلو کے ذہن نشین ہونے سے بجائے نفع کے قوم کو نقصان پہونچا ہے - ہم اس غلطی کو رفع کرنیکے لئے مختصر سے واقعات ایسے عرض کرنیکے در پے ہیں جو علمای دین اور ائمہ مذہب کے تمول کا ثبوت دیں ان میں سے بعض واقعات یہ بھی دکھلائینگے کہ جو دولت سرمایۂ غفلت تصور کی گئی ہے وہی نیک اور لائق ہاتھوں میں پہونچکر کیسی خیر و برکت کی باعث ہو سکتی ہے -

امام دعلج بغدادی جو دارقطنی کے استاد ہیں انکی سرکار سے مکہ مکرمہ - عراق اور سجستان کے علمای حدیث کے وظائف مقرر تھے - مکہ مکرمہ مین ایک مکان

جسکا نام دار العباس تھا اونہوں نے تیس ہزار اشرفی کو خریدا تھا۔ جب اُنہوں نے وفات پائی تو معز الدولہ نے تین لاکھ اشرفی[1] اُنکے ترکے میں سے لے لیں۔ امام ابو الہیثم کی نسبت لکھا ہی کہ بہت مالدار تھے۔ تین یا چار دفعہ اُنہوں نے اپنے ہموزن چاندی خیرات کی تھی[2]۔ حافظ ابن العربی کے تمول اور فیاضی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ شہر اشبیلیہ (واقع اندلس) کی شہر پناہ اُنہوں نے اپنی جیب خاص سے تعمیر کرائی تھی[3]۔ حافظ رئیس ابن ابی ذہل ہروی کی سالانہ آمدنی اتنی تھی کہ عشر کی بابت ایک ہزار خروار غلہ کی سال بسال اُنکی سرکار میں آتی تھیں۔ امام ذہبی اُنکی نسبت فرماتے ہیں کا کثیر الاموال[4] قاضی عیاض صاحب مشارق الانوار کو اپنے عہد میں اس قدر رفعت اور ریاست حاصل تھی کہ کبھی کسی کو اُنکے شہر میں نصیب نہیں ہوئی۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ جس قدر اُنکی رفعت بڑھی اُسی قدر اونکی تواضع اور خوف الٰہی میں ترقی ہوتی گئی[5]۔ شیخ ابو حامد اسفرائنی کی نسبت ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

انتہت الیہ ریاسة الدنیا والدین ببغداد[6]

علماء کے تعلقات سلاطین کے ساتھ اور اُنکا اثر سلاطین پر

انقلاب زمانہ نے جو تہ بہ تہ پردے علماے سلف کے حالات پر ڈالے ہیں اُنہوں نے اُنکی بہت سی اصلی اور مفید صفتیں نظروں سے چھپا دی ہیں۔ جب اُنکے صفات کی اصلی تصویریں چھپ گئیں تو ذہنوں میں اُنکی غلط نقشے کھنچ گئے اور جیسے وہ نہ تھے ویسے وہ مانے گئے۔ اور جب ان غلط نقشوں کی پیروی کی گئی تو قدم راہ صواب سے دور جا پڑے۔ اور مقصود فوت ہو گیا۔ علماے کرام کی نسبت

۱ (تذ ج۳ ص ۹۸) ۲ (تذ ج۱ ص ۲۳۶) ۳ (تذ ج۴ ص ۹۱) ۴ (تذ ج۳ ص ۲۱۳) ۵ (تذ ج۴ ص ۱۱) ۶ (ابن خ ج۱ ص ۱۹)

گویا یہہ مسلمہ مسئلہ ہی کہ اُنکو سلطنت و سلاطین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہہ تعلق اُنکے لیئے زیبا ہی اسی خیال کا یہہ اثر ہی کہ ہم صدیوں سی علما اور سلاطین کو باہم محض نا آشنا اور بیگانہ پاتے ہیں۔ جن محقق نگاہوں نی سوسائٹی کے حالات اور اُسکے باہمی تعلقات کی پوری پوری چھان بین کی ہے اُنہوں نی پتہ لگایا ہی کہ مختلف تمدنی گروہ کسی نہ کسی قانونی سلسلہ میں ضرور جکڑے ہوئی ہیں اور اپنی اپنی مناسب جگہہ پر کسی نہ کسی اصول کے مطابق قائم ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان سلسلوںمیں سے کوئی سلسلہ اپنی جگہہ سے ہٹ جائے تو نظام قومی درہم برہم ہو جائیگا۔ اس میں کوئی شبہ نہین کہ جب علما کا قدم سلسلہ انتظام سے نکل گیا تو جو کام اُس عظیم الشان سلسلہ میں اُنکو کرنے تھے وہ ابتر ہوگئے اور اس طرح حکومت و خلافت کی وہ ہیئت کذائی قائم نہ رہی جو مقننِ اسلام نے کھینچی تھی۔ ہم نے جس تعلق کی نفی اوپر کی ہے اُس سے ہماری مراد وظیفہ خواری یا صلہ بخشی کا تعلق نہیں ہی بلکہ وہ تعلق مراد ہی جو ایک رکن انتظام کو اُسکے سرگروہ کے ساتھ ہوتا ہی ہماری تمہید کو جو حضرات ملاحظہ فرمائیں وہ علما کا مفہوم ذرا عالی ذہن میں قرار دیں ورنہ ہمارے الفاظ بہشتی سے زیادہ رتبہ حاصل نکریں گے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ہر منصب اور مرتبہ خاص خاص صفات چاہتا ہی اور جبتک انسان وہ صفات نہ پیدا کرے اُس منصب کے لائق نہیں ہوسکتا۔ جن علما کے سلسلہ انتظام سی خارج ہو جانیکی وجہ سے ہم نے سلسلہ حکومت کو ابتر قرار دیا ہی وہ علما وہ تھے جو مدبرانہ دل ودماغ رکھتے تھے اور معاملہ کو معاملے کے پہلو سے سمجھنے والے تھے نہ کسی اور پہلو سے ہم جو واقعات اس سلسلہ میں پیش کریں گے وہ شاید اس بات کی ثابت کرنمیں قاصر نہ رہیں کہ علما نے جو سلطنوں اور سلاطین سی تعلق رکھا تو وہ تعلق تمام مسلمین اور خود

سلطنت کے حق میں کیسا مفید ہوا۔ اور کیسی دینی اور دنیاوی برکتیں اُنسے مسلمانونکو پہونچیں۔ جو تعلق ایسا فائدہ مند اور نافع تھا وہ حقارت اور نفرت سے دیکھے جانیکے لائق نہ تھا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بہت سے علماے کرام وقتاً فوقتاً یا ہمیشہ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے ایسے تعلقات کو عار بلکہ مضر تصور فرمایا ہی مگر ساتھ ہی اسکے ہجری صدیوں کے اوائل میں کچھ نہ کچھ علماے کرام ہمیشہ ایسے بھی موجود ہوتے تھے جو ان تعلقات کو اختیار فرماتے تھے اور اس طرح دینی و دنیاوی سلسلوں میں سد سکندری قائم نہیں ہونے پاتی تھی۔ امام اعظم نے عہدہ قضا قبول نہیں فرمایا اور اس سختی سے انکار فرماتے رہے کہ دُرّے کھائے قید بھگتی اُنہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسف رح سارے قاضیوں کے سرگروہ بنے اور ہارون الرشید کی مشہور خلافت کی خوبیوں میں ایک خوبی اُنکی ذات سے پیدا ہوئی۔ ع وللناس فیما یعشقون مذاہب

حضرت عمر ابن عبد العزیز جنکی خلافت خلافت راشدہ مانی گئی ہی اور جنکے عہد حکومت نے عالم کو عدل و انصاف سے مالامال کر دیا تھا اگر ایک امام تابعی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو بظاہر اسباب دنیا اُنکی حکومت کی نعمت سے محروم رہتے۔ اور از سر نو عالم میں اسلامی تازہ روح نہ پھکتی۔ جب سلیمان ابن عبد الملک خلیفہ دمشق کو شدت مرض نے مایوسی کے انداز دکھلائے اور رحلت کے قرب کی پیشین گوئی کی تو اُسکو اپنے جانشین کے تعین کی فکر ہوئی۔ ایک کاغذ پر اُس نے ولی عہد کا نام لکھا اور مشورہ کیلئے امام رجاء ابن حیاۃ کے سامنے پیش کیا۔ امام ممدوح نے جو اُس کو پڑھا

ف تابعین کے چوتھے طبقہ میں فن حدیث کے امام ہیں۔ مکحول نے اون کو سید اہل شام بتایا ہے اور بعض نے شامیوں میں سے زیادہ فقیہ اون کو مانا ہے۔ ۱۲ (تذکرہ ص ۱۱۵)

تو اُس میں خلیفہ کے ایک نابالغ بیٹے کا نام درج پایا۔ یہ دیکھکر اُنہوں نے سلیمان سے فرمایا کہ خلیفہ کو قبر میں آسودگی مطلوب ہے تو اپنا جانشین مرد لائق مقرر کرنا چاہئے۔ خلیفہ کے دل میں اُنکا یہ کلام چبھا اور اوس نے کہا کہ میں مکرر غور کر لوں۔ ایک یا دو دن کے توقف کے بعد اوس نے وہ کاغذ چاک کر ڈالا اور امام ابن حیاتؒ کو بلا کر پوچھا کہ میرے بیٹے داؤد کی نسبت تمہاری کیا رای ہے۔ امام نے فرمایا کہ وہ قسطنطنیہ کی مہم پر یہاں سے صدہا میل دور ہے اور نہ معلوم اس وقت زندہ بھی ہے یا نہیں۔ خلیفہ تو پھر میں کس کو ولی عہد مقرر کر لوں۔ امام جو امیر المومنین کی رای میں اس منصب کے قابل ہو۔ خلیفہ۔ عمر ابن عبد العزیز کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ امام۔ میرے خیال میں وہ نیک۔ فاضل اور سلیم الطبع ہیں۔ خلیفہ تمہاری راے درست ہے وہ ایسے ہی ہیں اور میں اُنہیں کو ولی عہد کرونگا۔ یہ کہکر سند ولی عہدی حضرت عمر ابن عبد العزیز کے لئے لکھی اور اوس کو سر بمہر کر دیا۔ اسکے بعد کوتوال شہر کو طلب کر کے حکم دیا کہ خاندان خلافت کے کل ارکان حاضر کئے جائیں۔ جب حاضر ہو لئے تو امام رجا نے حسب ایمای خلیفہ اوس سر بمہر کاغذ پر سب سے بیعت لی اور بعد بیعت اُنکو رخصت کر دیا۔ اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد اجل نے سلیمان کو زیادہ مہلت نہیں دی اور چند ہی ساعت کے بعد اوس کو ملک و مال سے جدا کر دیا۔ امام ابن حیاتؒ نے ایک معتمد خلیفہ کے ایوان کے دروازہ پر بٹھا دیا کہ کسی کو اندر نہ جانے دے اور اس طرح اوسکی وفات کی خبر کو شائع ہونے سے روک دیا۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر اُنہوں نے کوتوال کے ذریعہ سے پھر اہل بیت خلافت کو بلایا اور دوبارہ اسی سر بمہر فرمان پر اون سے بیعت لی۔ جب بیعت ہو چکی اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اب کل کاروائی مستحکم ہے

توانہوں نے فرمایا کہ خلیفہ نے وفات پائی - اور یہہ کہکر اُس کاغذ کو کہولکر سنایا جب ہشام ابن عبد الملک نے (جو دعویدار خلافت تھا) حضرت عمر ابن عبد العزیز کا نام سنا تو کہنے لگا کہ قسم ہے رب کی ہم کبہی اُنکی بیعت نہیں کرسکتے - امام رجاء نے کہا کہ بہتر ہے کہ کہڑے ہو اور آکر بیعت کرو ورنہ تلوار سے تمہارا ہی فیصلہ ہو جائیگا - ہشام کو موقع کا رنگ دیکھکر چار و ناچار بیعت کرنی پڑی - ہشام کی بیعت کے بعد امام رجاء نے حضرت عمر ابن عبد العزیز کا بازو پکڑا اور منبر پر بیٹھا دیا - منبر پر پہونچتے ہی اُنکی خلافت کا عملی دور شروع ہوگیا - اس واقعہ سے امام رجاء ابن حیات کی قوت فیصلہ - حسن تدبیر - اور استقلال طبیعت جیسا کچہہ ظاہر ہوتا ہے - الفاظ خود بتلا رہے ہیں ہمارے جتانیکی کچہہ حاجت نہیں - امام ابو یوسف کا جو اقتدار خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں تہا اُس سے ایک عالم واقف ہے - ابن خلکان اُنکی نسبت لکہتے ہیں کہ ابو یوسف علم و حکمت اور ریاست و اقتدار میں انتہا کو پہونچے ہوئے تہے - اُنکے زمانہ میں اُنسے بڑہکر کوئی دربار میں نہ تہا - یہہ بات تسلیم کیگئی ہے کہ مذہب حنفی کی اشاعت میں امام ابو یوسف کے اقتدار نے غیر معمولی قوت پیدا کردی تہی - امام یحیی ابن یحیی مصمودی جو حضرت امام مالک کے شاگرد رشید اور موطا کے ناقل ہیں ملک اندلس کے امرا و سلاطین کے یہاں بہت محترم تہے اسی اقتدار کے اثر سے امام مالک کا مذہب ملک اندلس میں پہیلا - ایک اور امام و حضرت یحیی ابن اکثم دربار مامونی میں اول درجہ کے ذی اثر رکن تہے - ابن خلکان اُنکی نسبت یہہ الفاظ لکہتے ہیں - اُنکے علم - فضل - ریاست اور سیاست اور اُس تعلق سے جو اُنکو خلفا اور سلاطین سے ساتہہ رہا تمام واقف ہیں - مامون الرشید کے مزاج پر وہ اس قدر حاوی تہے کہ کسیکی وقعت

---

۱ (کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۱) ۲ (ابن خ ج ۲ ص ۳۰۴) ۳ (ابن خ ج ۲ ص ۲۱۶)

اُن سے زیادہ خلیفہ کی دلمیں تھی۔ چونکہ خلیفہ کو علوم میں کمال تھا اس لئے اس نے اُنکے علم و عقل کے مرتبہ کو کماحقہ سمجھا تھا۔ عہدۂ قاضی القضاتی پر وہ ممتاز تھے۔ تدبیر مملکت میں اُن کو اس قدر مداخلت حاصل تھی کہ وزرا کے احکام اُنکی رائے لینے کے بعد نافذ ہوتے تھے[1]۔ سلطان شہاب الدین غوری کی (جسکا نام تاریخ ہندوستان میں آج تک روشن ہے) مدد آغاز کار میں امام فخر الدین رازی نے اپنے مال و دولت سے فرمائی تھی۔ جب وہ بڑھ کر سلطان ہوگیا تو یہ اُسکے دربار میں گئے اور شہاب الدین نہایت احترام کے ساتھ پیش آیا اسی طرح امام ممدوح دربار خوارزم میں بھی موقر اور محترم تھے[2]۔ امام زہری خلیفہ عبد الملک اور ہشام کے متقربین میں تھے[3]۔ اور خطیب بغدادی عز الدولہ کے متقربین داخل تھے[4] مولانا قونیوی کی نسبت لکھا ہے کہ سلطان روم کے حضور میں اُنکو نہایت ہی قدرت و تمکین حاصل تھی اور نو برس تک وہ اسی شان سے مقبول بارگاہ سلطانی رہے[5]۔ امام غزالی نے جب امیر المسلمین یوسف ابن تاشقین کی تعریف سنی تو اوس سے ملنے کیلئے افریقہ کو روانہ ہوئے۔ امام ممدوح ہنوز منزل مقصود تک نہ پہونچے تھے کہ امیر موصوف کو اجل نے عالم آخرت میں پہونچا دیا۔ یہ خبر امام غزالی نے اسکندریہ میں سنی اور وہیں سے واپس چلے آئے[6]۔

ابن رافع قشیری حافظ حدیث اپنے مکان پر حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے اور طلبہ کے علاوہ خراسان کے امیر نامور طاہر کی اولاد بھی معہ خدم و حشم حاضر درس ہوتی شیخ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو بات کرنے یا مسکرانے کی تاب و مجال نہ ہوتی[7]۔ ملک عادل سلطان صلاح الدین کا بھائی بڑی دبدبہ اور سطوت کا فرماں روا گزرا ہے

---

[1] (ابن ج ۲ ص ۱۷۰) [2] (ابن ج ۱ ص ۴۷۵) [3] (ابن ج ۱ ص ۴۵۱) [4] (تذ ج ۳ ص ۳۳۴)

[5] (العقد المنظوم ص ۳۶۹) [6] (ابن ج ۲ ص ۳۷۰) [7] (تذ ج ۲ ص ۹۳) —

ایک مرتبہ محدث اسلام عبد الغنی دمشقی اس سے ملنے گئے تھے۔ ملک عادل کا بیان ہے کہ جس وقت حافظ عبد الغنی میرے سامنے آئے تو مجکو یہ معلوم ہوا کہ ایک شیر آگیا۔[1] امیر تیمور نے ایک روز اپنا ایک قاصد کسی ضروری کام پر روانہ کیا تھا اور اسکو یہ عام اجازت تھی کہ ضرورت کیوقت جسکا گھوڑا ملجائے اسپر سوار ہولے۔ قاصد کو چلتے چلتے کسی موقع پر سواری کی حاجت ہوئی۔ اتفاقاً اوسی موقع پر علامہ تفتازانی مصنف مطول خیمہ زن تھے۔ اور اون کے خیمے کی پیشگاہ میں انکے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ بریدوہاں گیا اور جاتے ہی بیدھڑک ایک گھوڑا کھول لیا۔ علامہ ممدوح اسوقت اپنے خیمے کے اندر تھے۔ اس قصہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے علامہ تفتازانی کی شکایت پیش کی۔ امیر تیمور کا جو حال یہ ماجرا سنکر ہوا ہوگا آسانی سے قیاس میں آسکتا ہے۔ ہیجان غضب کے سبب سے تھوڑی دیر ساکت رہا اسکے بعد کہا کہ اگر شاہرخ یہ حرکت کرتا تو بیشک سزا پاتا مگر میں ایسے شخص کا کچھ نہیں کر سکتا جسکا قلم ہر شہر و دیار کو میری تلوار سے پیشتر فتح کر چکا تھا۔[2] عمرو صفار والی خراسان امام خفاف سے کہا کرتا تھا کہ چچا اگر میں کوئی کام آپکی مرضی کے خلاف کروں تو آپ میری گردن اڑا دیجئے۔ سلاطین عثمانیہ میں سلطان سلیم خاں بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک موقع پر اسکو ملازمان خزانہ پر غصہ آگیا اور اون میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیدیا۔ مولانا علاؤ الدین جمالی اون دنوں قسطنطنیہ میں مفتی تھے۔ انہوں نے جب یہ سخت حکم سنا تو ان بیکس ملازموں پر رحم آیا اور سلطان سے کہنے کیلئے وہ باب عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صد بدون

ع تو نہایت برہم ہوئے اور قاصد سلطانیکو پٹوا کر نکلوا دیا۔ وہ جب لوٹ کر دربار میں پہونچا۔

[1] (تذکرۃ ص ۱۶۹) [2] (شقائق ج۱ ص ۹۵) [3] (تذکرۃ ج۴ ص ۳۲۸)

کسی حادثہ عظیم کے باب عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزرا میں داخل ہوئے
تو سارے اہل دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے کہ مفتی صاحب کیسے تشریف لائے
غرض حضور سلطانی میں انکی اطلاع ہوئی اور انکو اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ تنہا وہاں
پہونچے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد سلسلہ تقریر یوں شروع کیا۔ جو علما منصب
فتویٰ رکھتے ہیں انکا فرض ہے کہ سلطان وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں۔ میں نے
سنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز نا جائز ہے
لہذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں۔ سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت
شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہو کر کہا کہ تمکو اپنی حد اختیار میں رہنا اور امور سلطنت
میں دخل دینا نہیں چاہئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں معاملات سلطنت میں دخل نہیں
دیتا بلکہ عاقبت سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا یہ فرض ہے۔ ان عقود نے فلک الجاہ
والا فلک عقائد عظیم سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا
اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں۔ جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد
کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرض منصبی ادا کر چکا اب ایک بات
شان سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ کیا؟ تو انہوں نے جواب
دیا کہ یہ سب بیچارے آپکے غلام ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ غلام شاہی ہو کر در بدر
مانگتے پھریں۔ سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا تو انکی جگہ پھر انہیں کو عطا فرمائی
جائے۔ سلطان نے ازراہ مراحم خسروانہ اسکو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی
سزا ضرور دی جائیگی۔ مفتی ممدوح نے فرمایا کہ اس میں مجھکو کچھ کلام نہیں ہے کیونکہ تعزیری سزا دینا
سلطان کا اختیار ہے۔ اتنا کہکر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے۔ (دمشق ج ص ۳۲۴)

علما کا پر اثر

اس بیان میں شاید کسی تمہید کی حاجت نہیں ہے۔ علما کی جو عظمت ہمیشہ مسلمانوں کے دل میں رہی ہے اسکے کچھہ نہ کچھہ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ علمائے سلف کو مقبولیت عامہ خلق میں حاصل رہی ہے اور عموماً اہل ملک نے جس محبت اور ادب کی نظر سے انکو دیکھا ہے اوسکی کیفیت پڑھکر ایک قسم کا تحیر پیدا ہوتا ہے۔ اگر صرف انکی ہم مسلک اور ہم مذہب لوگ اونکی توقیر کرتے اور انپر قربان ہوتے تو ہم یہہ سمجھتے کہ مذہبی خیالات کا یہہ سارا کرشمہ تھا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مخالف فرقے اور یہود و نصارا اون کی تعظیم و محبت میں ایسے ہی سرگرم و محو تھے جیسے خود اونکے ہم مشرب تو ہمکو یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ محض مذہبی خیالات نہیں بلکہ علما کے اخلاق و صفات اس عظمت کے اہم اور اصلی اسباب تھے۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اس مقبولیت کو اس فیاضی خیال اور وسعت نظر سے بہت ترقی ہوتی تھی جو عموماً ہم علمائے سلف میں پاتے ہیں اور یہہ اون کی فیاضی کسی طبقے اور فرقے کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ عموماً بندگان خدا کیواسطے عام اور شامل تھی۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کا لشکر شہر رقہ میں خیمہ زن تھا۔ اتفاقاً اوسی موقع پر حضرت عبداللہ ابن مبارک امام حدیث کا گذر شہر مذکور میں ہوا۔ آن کے استقبال کے لئے لوگوں کا یہہ ہجوم ہوا کہ سارے اُفق پر غبار چھا گیا اور کشمکش میں آدمیوں کی جوتیاں پارہ پارہ ہوگئیں۔ حرم سرائے خلافت کے چوبی برج سے خلیفہ کی ایک کنیز نے جو یہہ ہنگامہ دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہہ کیا ماجرا ہے۔ کسی نے کہا کہ خراسان کے عالم ابن مبارک اس شہر میں تشریف لائے ہیں انکے لینے کے لئے مخلوق کا ہجوم ہو رہا ہے۔ شوخ مزاج کنیز نے بیساختہ کہا کہ واللہ حکومت اسکو کہتے ہیں۔ ہارون کی

کیا حکومت ہر جبکے لئے لوگ اہلکاروں کے زور اور دباؤ سے جمع ہوتے ہیں [1]
امام بخاری جب دربار علم سے کمال کا خلعت پہنکر اپنے وطن بخارا کو آئے تو بخاریوں نے
نہایت جوش کے ساتھ انکے استقبال کا اہتمام کیا۔ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر
خیمے استادہ کئے گئے اور تمام اہل بخارا انکی پیشوائی کے واسطے آئے یہانتک کہ کوئی
قابل ذکر آدمی شہر میں نہیں رہا۔ شہر میں انکے اہل وطن نے انکو اس شان سے لائے کہ روپے
اور اشرفیاں انکے سر پر سے نثار کیجاتی تھیں۔ ہمارے علوم کا دوسرا مرکز شہر نیشاپور
بھی امام ممدوح کی تعظیم میں اپنے ہمسر بخارا سے پیچھے نہیں رہا۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ
جب امام بخاری کے تشریف لانیکی خبر نیشاپوریوں نے سنی تو بعض نے دو منزل اور بعض
نے تین منزل آگے جاکر ان کا استقبال کیا۔ اور شہر میں جس شان سے وہ داخل
ہوگئے وہ شان میں نے کسی حاکم یا عالم کی آمد میں نہیں دیکھی [2]۔ امام فیروزی جب ایک
دینی کام کے لئے شہر بغداد سے چلے تو ایک جم غفیر نے ان کی مشایعت کا قصد
کیا۔ انہوں نے ہرچند منع کیا لیکن جوش عقیدت میں کسی نے ممانعت کا لحاظ نہ کیا
سامرہ پہونچکر جو ہمراہیوں کا اندازہ کیا گیا تو پچاس ہزار آدمی پہنچنے میں آئے [3] ایک مرتبہ
شیخ ابو اسحق شیرازی خلیفہ بغداد کی طرف سے ایک خدمت پر خراسان تشریف لیگئے
تھے جب وہ نیشاپور سے معاودت کرنے لگے تو پیشوائے خراسان امام الحرمین نے
سوار ہوتے وقت انکے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ اسکا اثر تمام ملک خراسان
میں یہ ہوا کہ شیخ ممدوح کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی تبرک کے طور پر اٹھائی

---

[1] (ابن ج ص ۲۴۸) [2] (مقدمہ ص ۱۸۱ و ۴۸۵) [3] (تذکرہ ص ۲۰۷ ج)

[4] شہر بغداد کا ایک حصہ ۱۲

اور آنکھوں سے لگائی گئی۔ سفیان ابن عیینہ جب کوفے میں تشریف لائی اور امام اعظم نے انکو آنے کی خبر سنی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تمہارے شہر میں عمرو ابن دینار کے علم کا حافظ آیا ہے۔ امام صاحب کے اس مختصر جملے نے سارے اہل کوفہ کے دل ابن عیینہ کی جانب مائل کر دئے اور لوگ جوق جوق ابن دینار کی احادیث سننے کیلئے ان کی خدمت میں آنے لگے۔ اوس وقت ابن عیینہ کی عمر بیس برس سے کم تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مجھکو اول محدث بنایا وہ ابوحنیفہ ہیں[1]۔ علماء کے ساتھ عامۂ خلائق کا ایک جوش عقیدت صرف اونکی زندگی تک محدود نہ تھا اونکی وفات فرما جانیکے بعد بھی قائم رہتا تھا۔ بلکہ بعد وفات اور زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔ امام طاؤس تابعی کا جنازہ جب اٹھایا گیا تو آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جنازہ کسی طرح نہ نکل سکا آخر حاکم وقت نے فوج بھیجی اور اوسکے اہتمام سے جنازہ نکلا۔ خاندان نبوت کی چشم و چراغ حضرت عبداللہ ابن حسن (رضی اللہ عنہما) جنازہ کو اوٹھائے ہوئے تھے لوگوں کی کشمکش سے انکا لباس پارہ پارہ ہو گیا[2]۔ امام الحرمین نے جب وفات پائی تو تمام شہر نیشاپور کے بازار انکے ماتم میں بند ہو گئے۔ اور جامع مسجد میں جس منبر پر وہ خطبہ پڑھا کرتے تھے وہ توڑ دیا گیا[3]۔ اسی طرح جب امام ابویعلی موصلی کا انتقال ہوا تو اکثر بازار شہر کے بند کر دئے گئے[5]۔ امام ابوجعفر طبری کی قبر پر کئی مہینے تک شب و روز نماز جنازہ پڑھی گئی[6]۔ امام ابن ابی داؤد کے جنازے کی نماز اسّی دفعہ ادا ہوئی کل نمازیوں کا تخمینہ کیا گیا تو تین لاکھ ہوا[7]۔

---

۱ (ابن خ ص ۱۲۲) ۲ (ابن خ ص ۲۱۱) ۳ (ابن خ ص ۲۳۳) ۴ (ابن خ ص ۲۸۸)

۵ (تذخ ص ۲۷۵) ۶ (تذخ ص ۲۸۲) ۷ (تذخ ص ۳۳۳)

مخالف فرقوں کی محبت ہمارے علما کے ساتھ

امام ابوالعلاء ہمدانی سے خوارزم کے لوگ جو عموماً معتزلی تھے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حالانکہ امام ممدوح کو اپنے مذہب حنبلی میں بہت شدت تھی[1]۔ بغداد کے اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں ایک بار تنازع ہوا تو فریقین نے امام ابن جوزی کو فیصلہ کیلئے حکم قرار دیا[2]۔ ایک زمانہ میں دمشق کا حاکم جو شیعی تھا خطیب بغدادی سے برہم ہوگیا تھا۔ اوس نے کوتوال شہر کو حکم دیا کہ خطیب کسی حیلہ سے قتل کر دئے جائیں۔ امام ممدوح کو جب اس کی خبر ہوئی تو اونھوں نے شریف ابوالحسن کے مکان میں پناہ لی۔ جب کوتوال نے اون سے خطیب کو طلب کیا تو شریف موصوف نے فرمایا کہ خطیب کا قتل بالکل خلاف مصلحت ہے۔ اگر وہ قتل کئے گئے تو یاد رکھو کہ عراق کے شیعوں کی ایک جماعت اون کے ساتھ قتل ہو جائیگی[3]۔

غیر مذہب کے لوگوں کی محبت علما کے ساتھ

عباد ابن عوام ناقل ہیں کہ جب امام منصور تابعی کا جنازہ اٹھایا گیا تو میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصاریٰ اپنے اپنے گروہ جدا جدا قائم کئے ہوئے اون کے جنازے کے ساتھ تھے[4]۔ امام ابوالعلاء کبھی کبھی (ہمدان سے) اپنے وطن کو جمعہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب وہ تشریف لیجاتے تو اہل شہر اُن کی مشایعت کے لئے شہر سے باہر کھڑے ہو جاتے۔ ایک جماعت مسلمانوں کی ہوتی اور ایک گروہ یہودیوں کا۔ جب اونکو دیکھتے تو دونوں فریق دعا دیتے[5]۔ ابوالفتح کمال الدین

[1] (تذ ج۴ ص ۱۲۰) [2] (ابن خ ص ۲۷۹) [3] (تذ ج۳ ص ۳۳۷)

[4] (تذ ج۱ ص ۱۲۷) [5] (تذ ج۴ ص ۱۲۰)

شافعی کے پاس یہود اور نصاریٰ توراۃ اور انجیل پڑھنے آیا کرتے تھے۔ فقیہ ممدوح نے اُنکے ماننے والوں کی خاطر ان دونوں کتابوں کی شرح لکھی تھی[1]۔ امین الدولہ ابن تلمیذ بغداد کے مشہور عیسائی طبیب کا مکان شہرۂ روزگار مدرسہ نظامیہ کے پڑوس میں تھا۔ جب کوئی طالب علم مدرسہ مذکور کا بیمار ہوتا تو یہ نیک دل طبیب اوس کو اپنے مکان پر لے آتا اُسکا علاج کرتا اور ہر قسم کی آسایش کی خبر رکھتا۔ اور بعد صحت پھر مدرسے میں پہونچا دیتا۔ طبیب موصوف کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب نفس اور شرافت خصلت میں وہ بے نظیر تھا۔ جب اُسنے وفات پائی تو (ابن خلکان کہتے ہیں) کہ شہر بغداد کے دونوں حصوں میں کوئی قابل ذکر شخص ایسا نہ تھا جو اُس کے جنازے کے ساتھ گریستہ میں نہ آیا ہو[2]۔

علما کی معاشرت کے متعلق بعض اور حالات

انکا لباس عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے الناس باللباس۔ علمائے کرام جو باطنی خوبیوں سے آراستہ تھے اُنکے حالات شاہد ہیں کہ ظاہری صفائی اور پاکیزگی کی جانب سے بھی اُنکو بے توجہی نہ تھی۔ امام دارالہجرت حضرت مالک لباس نہایت پاکیزہ اور قیمتی پہنتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کے جتنے فقہا دیکھے سب کو خوش پوشاک دیکھا۔ امام ممدوح جس مکان میں نشست فرماتے تھے وہ نہایت پاک صاف رہتا تھا۔ اوس میں چاروں طرف مسندیں بچھی رہتی تھیں اور ہر مسند پر جُدا جُدا تکیے مہیا رہتے۔ اُن کی مجلس کا یہ دستور تھا کہ کوئی

---

1. (ابن خ ج ۲ ص ۱۳۴) 2. (ابن خ ج ص ۱۹۳)

بلند آواز سے بات نکرتا[۱]۔ امام ابوحنیفہ بھی بہت خوش لباس تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک انکی نسبت فرماتے ہیں۔ کان حسن الوجہ حسن الثیاب ایک مرتبہ اونکی ایک چادر کا تخمینہ کیا گیا تو تیس اشرفی ہوا۔ اور ایک دوسرے موقع پر انکے پیراہن اور چادر کا اندازہ کیا گیا تو چار سو درہم ہوا۔ حماد انکے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد اس قدر خوشبو کا استعمال کرتے تھے کہ جب وہ کہیں جاتے تو لوگ خوشبو کی وجہ سے پہلے ہی سمجھ جاتے کہ امام اعظم آرہے ہیں[۲]۔ شیخ الاسلام ہروی جن کا زہد مشہور ہے جب باہر تشریف لاتے تو لباس فاخرہ انکے جسم پر ہوتا اور بیش قیمت گھوڑا ان کے نیچے۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ افعل ھذا اعزازا للدین۔ یعنی میں یہ اظہار حشمت دین کے معزز کرنیکے واسطے کرتا ہوں[۳]۔

جسمانی ریاضت ہم نے اس تحریر میں بعض عنوان ایسے قائم کئے ہیں جو نظر بحالات موجودہ علمائے کرام کے ذکر میں اجنبی بلکہ بے محل معلوم ہوتے ہیں انھیں میں سے غالبًا یہ سرخی بھی ہے۔ ہمارے قدیم مدارس میں جسمانی ریاضت کا منزلوں پتا نہیں ہے برخلاف انکے مدارس جدیدہ تعلیم علوم کے برابر اس کو بھی اہم بالشان خیال کرتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کے دو مختلف اثر پیدا ہوئے ہیں نئی روشنی کے لوگ تو اسکو ترقی جدید کا ایک جلوہ سمجھ رہے ہیں۔ پرانی وضع کے بزرگ اس کو داخل لہو ولعب اور ثقاہت و متانت کے خلاف تصور فرما رہے ہیں تاریخی عدالت سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ دونوں خیال واقعیت سے دور ہیں۔ اہل علم میں جسمانی ریاضت کا اہتمام نہ تہذیب جدید کا نتیجہ ہے اور نہ خلاف متانت و وقار ہے۔

۱؎ (تاریخ ص ۱۹۱) ۲؎ (سیرت النعمان ص ۳۲، ۹۱) ۳؎ (تاریخ ص ۱۸۱) ۴؎ صوفت اور لباس دونوں پاکیزہ ۱۲

صدہا برس گزرے جب بھی ہمارے علما مردانہ ورزشوں کے پابند تھے اور جو لوگ پیشوائے اُمت مانے گئے ہیں اُنہوں نے اسکی طرف خاص توجہ فرمائی ہو۔ لہذا اس طریقے کو نہ جدید کہہ سکتے ہیں اور نہ خلاف شان علما۔ علما کے حالات ایک طرف۔ تیراندازی اور گھوڑے کی سواری کی مشق کی تاکید حضرت سرور کائنات نے فرمایا ہے۔ اور صحیح بخاری میں اُس گھوڑ دوڑ کا ذکر ہے جسکا اہتمام آپنے بنفس نفیس فرمایا تھا۔ اور جسمیں عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایک گھوڑے پر سوار تھے۔ اور اوس اونٹوں کے دوڑ کا مذکور ہے جسمیں آنحضرتؐ کی سواری کی اونٹنی دوڑی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی ریاضت ہمارے اہل علم کا خاص شعار ہونا چاہئے۔ اس رسالہ کی تحریر کے لئے جو کتابیں میں نے دیکھیں اُن سے ثابت ہوا کہ علمائے سلف کی عمریں عموماً بڑی ہوئی ہیں اور اخیر عمر تک اُنکے قویٰ کام دیتے رہے ہیں۔ یہ حقیقۃً اسی ریاضت کا کرشمہ تھا جسکے وہ عادی تھے۔ ورنہ اس زمانے کی طرح ضعف دماغ اور جسمانی کمزوری اُس زمانہ کے علما کی بھی خاص علامت قرار پاتی۔

امام ابن عون تابعی کے حالات میں لکھا ہو کہ اُنکو گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے گورخر میدان میں گھیر کر مارا تھا۔ گورخر کی چالاکی مشہور ہے اوس کو میدان میں گھیرنا اور تلوار نیزہ یا تیر سے شکار کرنا بہت دشوار ہے۔ اس واقعے امام ممدوح کی اعلیٰ درجے کی شہسواری اور فنون شکار سے پوری واقفیت کا نشان ملتا ہے۔ امام شافعی نے تیراندازی میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ قریش میں

لہ علامہ عینی نے ہدایہ کی شرح بنایہ جب لکھی ہو تو اُنکا سن نوے برس سے تجاوز کر چکا تھا۔ کتاب مذکور کے خاتمے میں اُنہوں نے اس امر کی تشریح کی ہو اور فرمایا ہے کہ اس شرح کے لکھنے کا اتفاق اکثر شب کو ہوا۔ (دیکھو ص ۱۴۰)

انکا ثانی نہ تھا۔ اور یہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ اُسکے دس تیر نشانہ سے نہ اُڑا دیتے تھے[1] امام بخاری کو بھی تیر اندازی کا خاص شوق تھا۔ اور اکثر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر اوس کی مشق کے لئے تشریف لیجاتے تھے۔ اُن کا ہاتھ بھی ایسا سچا ہو گیا تھا کہ کم تیر خطا جاتے[2] علامہ ابو القاسم شافعی کی نسبت ابن خلکان لکھتے ہیں۔

کان علامۃ فی الفقہ والتفسیر والحدیث والاصول والادب والشعر وعلم التصوف جمع بین الشریعۃ والحقیقۃ۔ جو لوگ ابن خلکان کی پر احتیاط روش تحریر سے واقف ہیں وہ میرے اس بیان کی تصدیق کرینگے کہ مورخ مذکور نے یہ الفاظ محض گرمی سخن اور آرائش بیان کے واسطے نہیں لکھے ہوں گے بلکہ واقعات نے یہ الفاظ اونکے قلم سے لکھوائے ہونگے۔ ہم کو اس موقع پر یہ بیان کرنا ہے کہ علامہ ممدوح کو اتنے علوم میں کمال پیدا کرنے کے ولولے میں بھی جسمانی ورزش اور فنون ریاضت کی طرف سے بے توجہی نہیں ہوئی۔ اور ان مشاغل عالیہ کے ساتھ اونھوں نے گھوڑے کی سواری اور مردانہ فنون میں وہ مشق بہم پہنچائی کہ ان کی بابت سواری اور استعمال اسلحہ کی مہارت مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی[3]

اپنا کام خود کرنا جو لوگ اپنا کام خود کرتے ہیں اون کو اپنی ذات پر بھروسہ اور اعتماد ہوتا ہے اور اسی اعتماد نے دنیا میں بڑے بڑے کرشمے دکھلائے ہیں۔ جو لوگ اپنا کام خود نہیں کرتے اُن کے دل میں ایک قسم کی بزدلی پیدا ہوتی ہے اور یہ بزدلی انسانی حوصلے اور عزم کا بالکل ستیاناس کر دیتی ہے۔ حضرت سرور کائنات کے حالات مبارک میں لکھا ہے کہ حضور اپنا کام خود دست مبارک سے

[1] (تذکرہ ص ۳۲۱) [2] (مقدمہ ص ۵۶۶) [3] (ابن خ ص ۳۰۰)

فرمایا کرتے تھے۔ بکریوں کا دودھ آپ دوہ لیتے۔ پھٹا کپڑا خود سی لیتے۔ نعلین مبارک ٹوٹ جاتیں تو ان کو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے غرض اپنے کام کیلئے دوسروں کو کم تکلیف دیتے۔ آپ کے خادم حضرت انس فرماتے ہیں کہ دس برس میں آپ کی خدمت میں رہا اس عرصے میں میں نے آپ کی خدمت اس قدر نہیں کی جتنے آپ نے میرے کام فرما دئے۔ علمائے سلف کو حالات شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشوائے ملت (روحی فداہ) سے یہ سبق بھی حاصل کیا تھا اور جو قوی خداوند تعالیٰ نے انکو عطا فرمائے تھے انکا پورا شکر بجا لاتے تھے۔ امام ابن طاہر جب فن حدیث کی تحصیل کیلئے امام حبال کی خدمت میں حاضر ہونے چلے تو لوگوں نے ان کو بتایا کہ امام موصوف بازار سے اپنا کام خود کر لاتے ہیں وہاں بھی آپ انکو تلاش کر لینا۔ چنانچہ جب یہ انکے شہر میں وارد ہوئے تو اول بازاروں میں گشت لگایا۔ تلاش کرتے کرتے ان کو امام حبال ایک عطار کی دوکان پر اس ہیئت سے ملے کہ دامن میں وہ تمام ضرورت کی چیزیں بھری ہوئی تھیں جو وہ بازار سے خرید کر لائے تھے۔ اس واقعہ کی قدر اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام ممدوح کی عمر اس زمانہ میں اناسی برس کی تھی[۱]۔ ابوالاسود دؤلی واضع فن نحو کو آخیر عمر میں فالج گرا تھا اور اس کے اثر سے انکے ہاتھ پاؤں ماؤف ہو گئے تھے۔ اس معذوری کی حالت میں بھی وہ ہر روز پاؤں گھسیٹتے ہوئے بازار کو جاتے اور اپنا کام کر لاتے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ضرورت ان کو اس تکلیف کرنے پر مجبور کرتی تھی کیونکہ ابوالاسود بہت آسودہ تھے اور بہت سے خادم

---

۱ (تذ ج ص ۳۸۵)

اُن کی سرکار میں حاضر رہتے تھے۔ ایک روز کسی نے اُن سے ازراہ تعجب دریافت کیا کہ اس قدر خادموں کے ہوتے ہوئے یہ شاقہ مصیبت ہر روز کیوں برداشت کیجاتی ہے اُس ادیب نے یہ بے مثل[1] جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ آمد شد میں اتنا نفع ہے کہ جب میں گھر میں لوٹ کر آتا ہوں تو لڑکے بھی کہتے ہیں کہ آ گئے لونڈیاں بھی کہتی ہیں کہ آ گئے۔ اگر میں گھر میں پا شکستہ ہو کر بیٹھ رہوں تو بکریاں مجھ پر پیشاب بھی کریں تو بھی کوئی خبر نہ ہو[1]۔ یہ مقولہ عجب حکمت انگیز ہے۔ اور شخصی حالت سے لیکر قومی حالت تک یکساں موثر ہے۔ دنیا میں جو کچھ گرمی ہنگامہ ہے وہ سب حرکت کا نتیجہ ہے۔ اور سکون ملکوں اور قوموں کی رد نق کو درہم برہم کرنے والا ہے۔ جو قومیں ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی ہیں وہ پامال ہوگئیں اور کس چیز کی توقع اس عالم میں رکھتی ہیں۔ امام بخاری نے شہر بخارا کے باہر ایک مکان سرا بنوائی تھی۔ اُس کی تعمیر کے وقت جو مزدور معماروں کو اینٹیں پہونچاتے تھے اُن میں خود امام بخاری بھی شامل تھے۔ یہ امام زیانی اپنے سر پر اینٹیں رکھکر لیجاتے اور راجوں کو دیتے۔ ایک شاگرد نے ازراہ دلسوزی ایک روز عرض کی کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ[2] ھٰذا الذی ینفعنی[3] نفعنا اللّٰہ تعالیٰ باتباع السلف الصالحین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

[1] ابن خلکان ص ۱۲۴۱ [2] (مقدمہ ص ۵۰۷) [3] یہی وہ کام ہے جو مجھکو نفع دیگا۔

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ مصنفان اسلام

ہجرت کی دوسری سے آٹھوین صدی تک مسلمان علمی سرمایون پر تنہا قابض رہے۔ کچھ تو مذہبی جوش تھا اور کچھ بنی امیہ اور بنی عباس کی فیاضیون نے اون ہمتون کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ دوسری اور تیسری صدی مین جو ترقی اوس کو ہو گئی وہ پھر نصیب نہ ہوئی۔ تاہم یہانتک [illegible] کہ اون کو ان علوم کا شوق ہو گیا جن کو دین محمدی سے ذرا بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن ان فیاضیون نے اس شوق کو چند قدم اور آگے بڑھایا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یونان کے سارے علوم و فنون مسلمانون مین امڈ آئے۔ سنہ [illegible] ہجری کے پس و پیش مین خالد بن یزید اموی نے یونانی زبان دانون کو جمع کیا اور ترجمہ کی خدمت دی۔ عبد الملک بن مروان اموی کے حکم سے نصر بن [illegible] نے سنہ [illegible] کے پس و پیش مین نقطون کو باترتیب جمع کیا جس کی [illegible]

دفترون مین تمیز پیدا ہوئی۔ اسی خلیفہ کے عہد مین عربی زبان دولت اسلام
کے تمام محکمون مین لیگئی جس سے رفتہ رفتہ مصر۔ شام اور عراق کی دفتری
زبان ہوگئی۔ اس کے بعد ہارون عباسی نے ترجمہ و تصانیف کا ایک بڑا محکمہ
بیت الحکمت قائم کیا جہان ژند۔ یونانی۔ سریانی۔ سنسکرت زبانون سے
عربی مین کتابین ترجمہ ہوئین۔ اس کے محکمہ مین حنین بن اسحاق۔ ثابت بن
قرۃ۔ حبیش بن الحسن وغیرہ نامور عیسائی مترجم پانچ پانچ سو اشرفی ماہوار تنخواہ پر
ہوگئے۔ اور دو سو برس کے اندر ہی اندر بیت الحکمت نے یونان اور روم
کا سارا علمی خزانہ خالی کردیا۔ اس عہد مین فضل بن یحیی برمکی کے اہتمام سے
کاغذ بنانے کا کارخانہ جاری ہوا۔ مامون عباسی کا جوش اس سے
کہین بڑھا ہوا تھا اوس نے صرف اس شرط پہ شاہ یونان سے صلح
دائمی اور ایک سو چالیس من سونا دینے کا وعدہ کیا کہ وہ حکیم لیو کو اجازت
دے کہ کچھ دنون امیر المومنین کو فلسفہ آکر سکھا جاے۔ مامون پہلا خلیفہ
ہے جس کے عہد مین دمشق۔ شماسیہ اور بغداد مین رسدگاہین قائم ہوئین
اوس نے صحراے سنجار مین اس قول کو تجربہ سے تحقیق کیا کہ کرہ ارضی کا محیط
چوبیس ہزار میل ہے۔ چوتھی صدی سے پہلے جبکہ اسلام مین کوئی سررشتہ
تعلیم نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہین کہ یزید بن ہارون المتوفی سنہ ۲۰۶ ہجری کے حلقہ
درس مین ستر ہزار طلبا کا ہجوم رہتا تہا۔ جامع بصرہ مین امام بخاری نے
جب لیکچر دینے شروع کئے تو دس ہزار کے قریب محدثین فقہ۔ خواص
اور اہل مناظرہ شامل ہوئے ایجاد و اختراع مین بھی مسلمانون نے کوئی
دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چنانچہ عربی زبان مین ایک ہزار چار سو مستند تاریخین
لکھی گئین۔ حافظ معتزلی نے سنہ ۲۵۵ھ کے پس و پیش مین علم البیان کے

چند قاعدے لکھے جن کو متاخرین نے وسعت دی۔ قطرب المتوفی ۲۰۶ھ
نے علم لغت وضع کر کے "کتاب المثلث" اس علم مین لکھی جس کی اکثرون
نے تقلید کی۔ ابن المعتز عباسی المتوفی ۲۹۶ھ نے علم بدیع ایجاد کیا۔ امام
غزالی نے تہافت الفلاسفہ علم کلام مین سب سے پہلے کتاب لکھی۔ اور
ثابت کیا کہ فلسفہ یونانی جس قدر اسلام کے اصلی مسائل سے مختلف ہے
خود غلط ہے۔ ثابت بن ناصر دمشقی یزید ثانی کے عہد مین ایک نامی فلاسفر
تھا۔ اس نے آلات جاذب برق ایجاد کئے جن کے ذریعہ سے قوت
کہربایہ بجلی کو بادلون سے جذب کرتی تھی۔ یزید نے ثابت کی اس
ایجاد پر پانچ لاکھ روپیہ اوسے عطا کیا۔ عبد الملک بن مروان کے عہد مین
جنگی جہاز بنائے گئے۔ لوہا پگلا کر ڈہالا گیا۔ ۹۰ھ کے پیش بیش
مین علی بن تغلب گہڑی سازی مین مشہور ہوا۔ زبیدہ خاتون نے شموم
عنبری کو بزم تکلف مین جگہ دی۔ جغرافیہ کو وسعت دی گئی اور مختلف مقامات
کے نقشے تیار ہوئے۔ سلیمان المتوفی ۲۳۷ھ نے ہند۔ چین اور لنکا کا
سفر کر کے اپنے سیاحت کے حالات قلم بند کئے۔ مسلمان علم ہندسہ
مین مشغول ہوئے اور اونہون نے اوس مین جیوب کو داخل کیا۔ یونان
کے علم مثلث کو ارقام مین لائے۔ محمد بن موسیٰ المتوفی ۹۵ھ نے جبر و مقابلہ
وضع کیا۔ علم ہیئت مین بنا لی۔ ہیئت دانون نے زمین کے نقطہ راس اور نقطہ
ذنب کے منتقل ہو جانے کو دریافت کیا۔ بعض رصد گاہون مین مسلمانون
نے دائرۃ البروج کے اوس میلان کو بھی دریافت کر لیا جو خط استوا کی
طرف ہے۔ ابو ریحان بیرونی ایک نامی منجم نے ۳۸۰ھ کے پیش بیش
مین حرکت زمین معلوم کی۔ علم مناظرہ مین مسلمانون نے انعکاس کا قاعدہ

دریافت کیا۔ کیمیا کو اصول پر قائم کرکے علم کی حیثیت مین لے آئے۔ ابن ہیثم نے روشنی کی حرارت اور جسمیت کو بدلائل ثابت کیا علم طب مین چیچک۔ سنگریزہ وغیرہ بیماریون کے لئے علاج تجویز کئے گئے اور بہت سی نئی دوائیون کا اس علم مین اضافہ ہوا۔

سنہ سو باقاعدہ درس گاہون کی تعمیر بھی شروع ہوگئی۔ خاص شہر بغداد مین ۲۰۰ مدرسے قائم ہوئے جن مین ۳۰ بڑے کالج شامل تھے لیکن زیادہ سربرآوردہ دو کالج تھے ایک آل سلجوق کا "نظامیہ" جس مین چھ ہزار طلبا زانوے ادب تہ کرتے تھے اور جس کا سالانہ نظام الملک نے ۱۵ ہزار دینار مقرر کیا تھا۔ دوسرا آل عباس کا "مستنصریہ" جس کا سالانہ بیت المال سے ۶۰ ہزار مثقال (یعنے ۴ لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ کے قریب تھا) بغداد کی طرح اصفہان مین ۴۸۔ دمشق مین ۷۵ بیت المقدس مین ۳۸ - نیشاپور مین ۵ - قاہرہ مین ۲۰ - قرطبہ مین ۸۰ نامی گرامی مدرسے مختلف وقتون مین قائم ہوئے۔ خاندان عباسیہ کو دیکھکر والیان اندلس کو بھی علمی ترقی کا خیال ہوا اور اون کی توجہ سے قرطبہ رشک بغداد ہوگیا۔ عبدالرحمن ناصر نے قسطنطنیہ افریقہ۔ مصر۔ شام۔ فارس۔ عراق وغیرہ ملکون سے کتابین منگوائین اور اپنے زمانہ کے مولفون کو انعام بھی دیا یہان تک کہ اوس کے پاس ۴ لاکھ کتابین جمع ہوگئین جس سے یہہ فائدہ ہوا کہ اندلس مین جم غفیر فلاسفرون کا پیدا ہوگیا۔ ابن ماجہ۔ ابن رشد کے نامون سے کون واقف نہین۔ ابن فرناس وہان پہلا شخص ہوا جس نے پتھر سے شیشہ بنایا معرفت اوقات کا آلہ اختراع کیا اور ہوا مین اڑنے کے لئے ایک کل تیار کی ابن طفیل اندلسی نے سنہ ۵ھ کے پس وپیش مین ایولیوشن تھیوری کو ظاہر کیا۔ قرطبہ پہلا شہر ہے جس کی سڑکین پختہ کی گئین اور رات کیوقت ان پر لالٹنون سے روشنی کی گئی۔ غرناطہ مین ۱۳۰ پن چکیان دن رات چلتی تھین

اشبیلیہ (سول) مین ایک لاکھ کارخانے تھے جہان زیتون کا تیل نکالا جاتا تھا تصنیف وتالیف کا یہ عالم تھا کہ ایک وقت مین قرطبہ مین ۱۵۰ - مالقہ مین ۵۳ مریہ مین ۵۲ - پرتگال مین ۲۵ - اور مرسیلیا مین ۷۱ کتابین لکھی گیئن (اسبیلیہ - غرناطہ - بلنسیہ وغیرہ شہرون کا تو کچھ ذکر ہی نہین) یورپ کی استادی کا فخر بھی اندلس کو حاصل ہوا جو برٹ فرانسیسی نے یہان مدتون تعلیم پائی اور جب وہ ۹۹۹ء مین پوپ ہو گیا تو اوس نے اطالیہ مین دو مدرسے کھولے - اسی شخص نے ارقام ہندسہ کو عرب سے سیکھکر یوروپ مین شائع کیا - فاطمیہ خلفا نے بھی اس طرف رجوع کیا - مقریزی مورخ کا بیان ہے کہ "عزیز باللہ فاطمی المتوفی ۳۸۶ھ کے محل (واقع القاہرہ) مین ۴۰ کتب خانے تھے" ایک اور مورخ کسی قدر مبالغے کے ساتھ لکھتا ہے کہ ان کتب خانون مین ۱۷ لاکھ کتابین تھین فاطمیہ کے عہد مین القاہرہ مین ایک پبلک لائبریری تھی جس کو "دارالعلم" اور "دارالحکمۃ" کہتے تھے اس زمانہ مین جامع ازہر مین ۱۲ ہزار طلبا دور و دراز ملکون سے آکر فقہ - منطق لغت - نجوم - حدیث - ریاضی - تفسیر - تاریخ کی تعلیم پاتے تھے - والیان مراغہ اس وجہ سے زیادہ قابل ذکر ہین کہ دنیا دی اسلام مین جو پہلا مدرسی تعلیم گاہ قائم ہوا وہ عبد المومن والی مراغہ کے حکم سے ہوا - اس تعلیم گاہ مین ۳ ہزار طلبا شریف خاندان ہم عمر نوجوان داخل تھے جن کو وہان مارالطلبہ القاضی حفظ کرنے کے سوا فن سپاہگری بھی سکھایا جاتا تھا - عبد المومن ان کو القصر مین جمع کرکے امتحان لیا کرتا تھا - یونیورسٹی خاص (واقع مراکو) مین مصر - اندلس اور فرانس سے طلبا بغرض تدریس آتے تھے یہ یونیورسٹی ۸۵۹ء کے پس وپیش مین قائم تھی اس سے پہلے دنیا مین کوئی یونیورسٹی نہین ہوئی -

غرض مسلمانون نے کائنات کے خزانون کو ہمت سے لیا استقلال سے رکھا اور اعتدال سے برتا - دنیا کے پردے پر ناگہانی ترقی کی سب سے پہلے

اور سب سے پہلی مثال قائم کی - ادہر میدان شجاعت مین اونہون نے کسریٰ اور قیصر کو نیچا دکہایا ادہر میدان فضیلت مین یونان کو دبایا اور یورپ کو سکہایا - اندلس فتح کیا اور قرطبہ مین روز افزون ترقیان کین جس کی نسبت یہ مشہور ہوا کہ "اگر پرند کا دودہ لینا ہو تو وہان جاؤ" - آسمان علم کا آفتاب اگر بغداد اور القاہرہ کے میناروں پر جگمگا رہا تہا تو ماہتاب قرطبہ اور غرناطہ کے گنبدون پر - مگر آٹہوین صدی کے ساتہ ان ترقیون کا خاتمہ ہوگیا - تنزل شروع ہوا آفتون کو ساتہ لایا جن سے مسلمانونکو اس قدر ربط ہوگیا کہ وہ ترقیان جن کا کئے دن ادن مین ظہور رہتا نہ جانتی ہین اور نہ جاننا چاہتے ہین - لیکن یہان کی غلطی ہے - لاطانی زبان مین ایک مثل مشہور ہے کہ "بیوت کی آنکہہ ماضی کو دیکہتی ہے -

بگڑی ہوئی قوم کے لئے یہ پیش بینی زیادہ ضروری ہے -

زمانہ کا قاعدہ ہے کہ پیشروان قوم کی سرگرمی افسردگان قوم کے ولولے بڑہاتی ہے گذشتہ مصائب سے نصیحت لینا گذشتہ معارج کو عبور کرنا ترقی و بہبودی کی جڑ ہے - بزرگون کی سرگذشت ہم کو بتاتی ہے کہ ہم بہی اپنی زندگی اعلی بنا سکتے ہین - اس مختصر رسالہ مین سلف کے ادن نامی گرامی مصنفون کا بیان ہے جو دنیا ے اسلام مین بے شمار تصانیف چہوڑ گئے ہین - جو عالم تاریخ مین خلف سے باتین کرنے پر سب سے زیادہ مستعد اور آمادہ نظر آتے ہین - افسوس آمادہ اس لئے کہ باوجود اس کثرت اور باوجود اس افراط کے ہم مین سے خال خال کو اتنی توفیق ہے کہ ادن کی باتون سے سبق لے - سبق بہی وہ سبق جس نے ادن کو اپنے وقتون مین استاد ہی نہین بلکہ روے زمین کا مالک بنا دیا تہا اگر مالک تہے عالم بہی ضرور تہے - عالم کی دنیا کا ایک کنارہ ہادی الکبیر تہا تو دوسرا دریاے سندہ تہا - مگر اس دنیا نے پاؤن پہیلائے

ہم کو دغا دی - آسمان سے بے رخی کی - ہم تاریکی مین آئے - دن نکل آیا - مگر ہمارے لئے ابھی رات ہے - نہ ہم مین وہ ہمت ! اور نہ ہم مین وہ حمیت !! نہ ہم مین وہ جوش !! اور نہ ہم مین وہ خروش !!

ابن حنیف

۲۳ + ۳ + ۱۹۵۰ء

مصنفان اسلام

ابو العلی احمد بن عبداللہ بن سلیمان بن محمد بن سلیمان بن داؤد تنوخی ۔ ربیع الاول ۳۶۳ھ کو معرۃ النعمان مین پیدا ہوا۔ قدرت نے اوسے شاعرون کے عالم گر وصف سے محروم نہ رکھا۔ چنانچہ یہہ چار برس کا تھا کہ چیچک سے اوس کی آنکھین جاتی رہین اور یہہ بھی ہومر۔ ملٹن وغیرہ نامور شاعرون کی طرح اندہا ہوگیا۔ اوس کو تصانیف کا نہایت شوق تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان وہ شعر مین لاثانی تھا وہان صرف و نحو۔ ادب و معانی مین بھی اپنا آپ ہی نظیر تھا۔ علم ادب مین "الایک والقصون" ایک کتاب لکھی جو ۱۰۰ جلدون مین ختم ہوئی۔ نظم مین کتاب "لزوم مالا یلزم" ۵ جلدون مین تالیف کی۔ کتاب "ضوء السقط۔ کتاب لامع العزیز۔ کتاب ذکری حبیب۔ کتاب عبث الولید کتاب معجز احمد۔ کتاب زند السقط (شرح ضوء السقط) وغیرہ بے نظیر کتابین تصنیف کین اور ربیع الاول ۴۴۹ھ مین وفات پائی۔

احمد تقی الدین بن عبدالصمد مقریزی مصری دنیائے اسلام کے مورخ تھے۔ تاریخ مین انہون نے جو کتابین لکھین اون مین سے چند کتابون کی فہرست دیجاتی ہے:-

المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار (۲ جلد) امتاع الاسماع (۶ جلد) الخبر عن البشر (۴ جلد) السلوک فی معرفۃ دول الملوک (۴ جلد) تاریخ الکبیر المقفی فی تراجم اہل مصر والواردین الیہا - ابو المحاسن کہتا ہے کہ اگر یہ کتاب ختم ہو جاتی تو ۸۰ سے زیادہ جلدون مین پوری ہوتی - "الالمام باخبار من بارض الحبشۃ من الملوک الاسلام" (یہ کتاب ۱۷۹۰ء کو لنڈن مین چھاپی گئی) مجمع الفوائد (۸۰ جلدون مین ختم ہوئی) کتاب فی القنا - کتاب فی الاجسام المعدنیہ وغیرہ وغیرہ - علامۂ مقریزی ۷۶۶ھ مین پیدا ہوئے اور ۸۴۵ھ مین انتقال کر گئے - وہ بعلبکی الاصل تھے مصر مین رہا کرتے تھے - شافع المذہب تھے - تاریخ مصر مین اون کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی -

احمد بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی المعروف بہ "خطیب" جمادی الآخر ۳۹۲ھ مین پیدا ہوئے علم حدیث اور تاریخ مین کمال دسترس پیدا کی بغداد کی بے نظیر تاریخ لکھی - فقہ ابو الحسین محاملی اور قاضی ابو الطیب سے حاصل کی اور اس علم مین بھی از بس امتیاز پایا - تصانیف کی تعداد ۱۰۰ سے کم نہین - ۴۶۳ھ ذالحجہ کے مبارک مہینے مین رحلت کی اور جناب بشر حافی کے مزار کے پاس مدفون ہوئے -

احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی معروف بہ "ابن حجر" عسقلانی - عسقلان (واقع ملک شام) مین ۷۷۳ھ مین پیدا ہوئے - شعر - حدیث - تاریخ مین از حد شہرہ پایا - بے شمار کتابین تصنیف کین - اصابہ فی ذکر الصحابہ ۴ جلدون مین لکھی اور استیعاب و اسد الغابہ کی تمام باتون کو اس مین جمع کیا - صحیح بخاری کی شرح فتح الباری ۱۴ جلدون مین لکھی - اور رجب ۲۵ برس کی مدت کی بعد ۸۴۲ھ مین یہ کتاب ختم کر چکے تو انہون نے شہر القاہرہ مین ایک بہت بڑا ولیمہ دیا جس مین

جملہ اکابر و عمال جمع تھے۔ ابن حجر نے صرف علم حدیث اور اس کے متعلقات میں چالیس کتابیں لکھیں۔ تعجیل المنفعت۔ المجمع المؤسس۔ بلوغ المرام۔ نزہتہ النظر۔ تبہمات۔ تقریب التہذیب۔ تعریف مراتب الموصوفین بالتدلیس فی اسانید الاحادیث۔ المعجم المفہرس۔ الکافی الشاف وغیرہ اون کی مشہور تالیفات ہین شہاب الدین آپکا لقب تھا حافظ القران تھے۔ شافعی المذہب تھے جسطرح حدیث مین آپ سرتاج تھے اسی طرح تاریخ مین مورخ مستند اور شعر مین شاعر غزار تھے۔ ۸۵۲ھ مین وفات پائی۔

احمد بن عمرو بن سریج امام شافعی علیہ الرحمتہ کے بہت بڑے مصاحبون مین سے تھے اُن کو امام موصوف کے تمام مصاحبون پر ترجیح دی گئی ہے حتی کہ مزنی پر بھی۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کا بیان ہے کہ "ابو العباس احمد بن عمر مذکور نے ۴۰۰ کتابین تصنیف کین اور مذہب شافعی کی اشاعت مین دل و جان سے کوشش کی اور مخالفان مذہب کا رد لکھا اور اکثر یہ مذہب صرف احمد بن عمر کی وجہ سے پھیلا" علامہ موصوف نے ۳۰۶ھ مین وفات پائی اور بغداد کے محلہ کرخ نامی مین اپنے حجرے کے اندر مدفون ہوئے اون کے مزار کی آج تک زیارت ہوتی ہے۔

احمد بن عیسٰی بغدادی کی ذکر ہے کہ ایک دفعہ موزے اون کے ہاتھ مین تھے کبھی اون کو سیتے تھے اور کبھی ادھیڑتے تھے۔ لوگون نے پوچھا یہ آپ کیا کرتے ہین۔ کہا کہ "مین اپنے نفس کو مشغول کرتا ہون اس سے پہلے کہ وہ مجھے مشغول کرے"۔ جب سے اُن کا نام 'خزاز' پڑ گیا کیونکہ خرز پھٹے ہوئے موزون کے سینے کو کہتے ہین۔ آپ محمد بن منصور طوسی کے شاگرد تھے ذوالنون مصری۔ سری سقطی۔ بشر حافی۔ جنید بغدادی۔ حمید بصری جیسے

جلیل القدر صوفیہ کی صحبتون مین رہے ہے۔ تصانیف بکثرت چہوڑین جن کی تعداد
کم وبیش ۴۰۰ بتائی گئی ہے۔ وہ پہلے شخص ہین جنہون نے علم فنا و بقا
مین کچھہ لکہا۔ شیخ الاسلام کی راے ہے کہ مشایخ مین کوئی ان سے بڑہکر
نہین ہوا۔ مرتعش کا بیان ہے کہ "جب خراز حقایق مین کچھہ کہتا ہے تو تمام
عالم اوس کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے" عیسی بغدادی فرماتے ہین کہ "دنیا مین ایک
وہی تھا۔ وہ کیا گیا دنیا ہی نہین رہی" غرض آپ کے اوصاف بیان سے باہر ہین۔
مدتون مصر مین رہے ہے۔ برسون مکہ مین قیام رہا۔ آخر ۲۸۶ھ مین بزم آراے باغ
جنان ہوئے۔

احمد بن یحیی بن اسحق المعروف بہ "ابن راوندی" راوند واقع اصفہان کا رہنے والا
تھا۔ علم کلام مین بڑا دخل رکہتا تھا۔ شعر بھی کبھی کبھی کہہ لیتا تھا۔ کتاب فضیحۃ المعتزلہ
کتاب التاج۔ کتاب الزمرد وغیرہ ۱۱۴ کتابین لکہین ۲۴۵ھ مین چالیس برس کا
ہوکر مرگیا۔

امیر خسرو بن سیف الدین ۶۵۱ھ مین پیدا ہوئے چونکہ ان کے باپ
قبیلہ لاچین کے امرا مین سے تھے اس لئے لوگ اون کو بھی امیر کہلایا کرتے تھے
اونہون نے چھہ بادشاہون کی خدمت کی۔ کتاب "نہ سپہر" علاؤ الدین خلجی کے بیٹے
قطب الدین کے لئے لکہی جس کے صلے مین اون کو ہاتھی کے وزن کے برابر
سونا ملا۔ اوایل مین یہ غیاث الدین بلبن کے بڑے بیٹے محمد المعروف بہ "شہید"
کے پاس رہا کرتے تھے اور ۵ برس تک اوسی کے پاس ملتان مین رہے ہے۔
لیکن جب محمد مغلون کے ہاتھ سے مارا گیا تو یہ ملتان سے چلے آئے۔ احمد
بلبن کے دربار مین محمد کا پردرد اور دلسوز مرثیہ کہکر لائے۔ جس کے سننے سی
غیاث الدین کے دل کو ایسا صدمہ ہوا کہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوسکا۔ امیر خسرو نے

فن موسیقی مین بارہ نئے مقام ایجاد کئے اعجاز خسروی (۵ جلد) قرآن السعدین وغیرہ ۹۹ کتابین تصنیف کین۔ خود ان کا بیان ہے کہ مین نے ۴ لاکھ سے زیادہ اور ۵ لاکھ سے کم اشعار نظم کئے ہین" ان کا ایک کلیات بھی ہے جس مین ۸ ہزار کے قریب اشعار ہین۔ نظام الدین اولیا علیہ الرحمتہ سے آپ کو ارادت تھی اور اکثر صحبت بھی رہا کرتی تھی۔ چنانچہ جب ۷۲۵ھ مین آپکا انتقال ہوا ہے تو اونہین اولیا اللہ کے جوار مین مدفون ہوئے۔

ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا کی ذہانت اور علمیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ سولہ برس کی عمر مین فضلائے نامدار اوس کے آگے زانوی ادب طے کیا کرتے تھے۔ فن طبابت مین اوس نے اعجاز کا رتبہ حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے شمس الدولہ والی گورگان نے اوسے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس وزارت مین اس کا یہ حال تھا کہ جب تک ۱۲۰ مریضون کا ہاتھ نہ دیکھ لیتا کھانا نہ کھاتا تھا اور پھر وزارت کا کام بھی سرانجام دیتا تھا۔ ابن سینا پہلا شخص ہے جس نے مریضون کے علاج مین املتاس۔ راوند۔ آملی۔ ہلیلہ۔ کاسنی وغیرہ دواؤن کا استعمال کیا۔ طبابت کی طرح فلسفہ مین بھی وہ گوئے سبقت لیگیا تھا۔ چنانچہ اس فن مین اوس نے ۲۶ کتابین لکھین اور نیز حکمائے یونان کے حکما کی اصلی غلطیان نکالین۔ طب کے علم مین ۸ کتابین لکھین جن مین زیادہ مشہور قانون (۴ جلد) اور شفا (۱۸ جلد) ہین۔ فقہ اور توحید مین ۱۲۰ کتابین لکھین جن مین سے حاصل محصول (۲۰ جلد) البر والاثم ۸ جلد مشہور ہین۔ لغت مین چار کتابین لکھین جن مین لسان العرب (۱۰ جلد) زیادہ ممتاز ہے۔ منطق مین ۹۔ علوم طبعی و ریاضی مین ۱۵۔ آداب۔ سیاست۔ موسیقی مین ۷ کتابین تالیف کین غرض اوس نے ۱۲ برس کی عمر سے لیکر مرتے دم تک ۱۰۰ کتابین لکھین۔ شمس الدولہ کے بیٹے تاج الدولہ نے اوسے اس جرم کی

تہمت لگاکر قید کر دیا کہ یہ علاؤ الدین کے ساتھ مکاتبت رکھتا ہے۔ ابن سینا ۴ مہینے قید خانہ مین رہا جہان وہ زنجیرون مین جکڑا ہوا گھبرا گھبرا کے یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

رایت ابن سینا لعادی الرجال ؛ وفی سجن مات اخس الممات

ترجمہ۔ مین نے دیکھا کہ ابن سینا لوگون سے بیر رکھتا تھا آخر وہ قید مین بری موت مرا۔

فلم یشف ما نابہ بالشفا ؛ ولم ینج من موتہ بالنجاۃ

ترجمہ۔ نہ شفا نے اسے مرض سے شفا دی۔ نہ نجات نے اوسے موت سے نجات دی۔

(۵۸) برس سے زیادہ زندگی نے وفا نہ کی اور ۴۲۸ھ ماہ رمضان یوم الجمعہ کو ہمدان مین مدفون ہوا۔

رودکی۔ سمرقندی۔ ایران زمین کا پہلا شاعر ہے جس نے دیوان مرتب کیا۔ کلیلہ۔ دمنہ کو منظوم کیا جس کے صلے مین امیر نصیر بن نوح سامانی نے اسی ہزار درہم عطا کئے۔ رودکی کے اشعار جن کی تعداد ۱۰ لاکھ تین سو بیس بتائی گئی ہے سو دفترون مین ختم ہوئے۔ یہ شاعر پانچوین صدی مین ہوا۔

سعید بن مبارک بن علی بن عبداللہ بن سعید بن محمد معروف بہ ابن دہان نحوی بغدادی کے زمانہ مین ابن خشاب ابن شجری ابن جوالیقی جیسے جلیل القدر نحوی موجود تھے۔ لیکن لوگ اس کو سب پر ترجیح دیتے اور سر آمد نحویان مانتے تھے۔ اور واقعی ابن دہان اگر سیبویہ نہ تھا تو سیبویہ زمانہ تو ضرور ہی تھا۔ شعر بھی خوب کہتا تھا۔ علم نحو مین نہایت عمدہ اور نہایت بسیط کتابین لکھین۔ شرح ایضاح تکملہ (۴۳ جلدون مین) زہرۃ الریاض (۷ جلد) شرح اللمع (۲ جلد) کتاب العروض۔ کتاب الدروس۔ رسالہ سعیدیہ وغیرہ وغیرہ۔ ۴۹۴ھ مین پیدا ہوا ۵۶۹ھ مین وفات پائی۔

عبدالرحمن بن احمد المشہور بہ نورالدین جامی اپنے وقتون مین ملا کے

معز لقب سے ملقب ہے - جام کے رہنے والے تھے ۵۴ سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں سے نفحات الانس - سبحۃ الابرار - شرح کافیہ - یوسف زلیخا انشا، بہارستان - شواہد النبوۃ ایسی کتابیں ہیں جن سے اہل ہند بھی نا آشنا نہیں - علامہ موصوف شاعر بھی تھے چنانچہ ان کا ایک کلیات ہے جس میں ساڑھے آٹھ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں - آپ علم الٰہی - علم تفسیر - علم اخلاق - علم فلسفہ میں بھی پوری قابلیت رکھتے تھے - ملا عبد الغفور المتوفی ۹۱۲ھ میں شارح مشہور اور مفتی زمان آپ ہی کے شاگرد تھے - آپ ۸۱۷ھ میں عالم وجود میں آئے اور ۸۹۸ھ میں فوت ہوئے -

ابوالفرج عبد الرحمٰن ابن ابی الحسن علی بن محمد بن علی قریشی تیمی بکری بغدادی ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے - حدیث تاریخ اور ادب میں عجیب استعداد حاصل کی اور ان علوم میں تصنیفات بھی بکثرت چھوڑیں - ابوالفرج اصل میں فرصۃ الجوز نامی شہر کا باشندہ تھا اور اسی وجہ سے اس کو ابن جوزی کے نام سے شہرت ہوئی بغداد میں وعظ کیا کرتا تھا - چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہاں کے سنّی اور شیعہ میں جناب صدیق رضؓ اور جناب مرتضیٰ رضؓ کی افضلیت پر بحث چھڑی معاملہ اس پر طے ہوا کہ ابن جوزی جو فیصلہ کر دے وہ فریقین منظور کر لیں - غرض لوگ اس تصفیہ کے لئے آئے تو وہ وعظ کر رہا تھا اور خلیفہ ناصر الدین اللہ بھی جو مذہب امامیہ کی طرف مائل تھا اوس کے وعظ میں شریک تھا - اوس نے جن الفاظ میں اون کا فیصلہ کیا وہ یہ تھے "**من كانت بنته تحته**" یعنی "وہ شخص کہ اس کی بیٹی اُسے بیاہ دی گئی" اہل سنت نے کہا کہ اس سے مراد ابوبکر صدیق رضؓ ہیں کیونکہ اون کی بیٹی عائشہ نبی آخر الزمان کے گھر میں تھیں - اہل تشیع نے کہا اس سے مراد علی رضؓ ہیں کیونکہ آنحضرت کی بیٹی فاطمہ زہرہ آپکے

گھر مین تھین ۔ اس حکایت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ لوگون کے دلون مین ابن جوزی کی کس قدر وقعت تھی اور کس قدر عقل کی رسائی اور حاضر جوابی کا مادہ خدا نے اون کو دیا تھا ۔ علامہ مذکور کی تصنیفات کی نسبت بہت کچھ روایتین مشہور ہین مگر اس مین تو کچھ شک نہین کہ اونھون نے ۲۵۰ سے زیادہ کتابین تالیف کین ۔ وہ مفسر بھی تھے شعر بھی نفیس کہتے تھے تاریخ مین "کتاب المنتظم" لکھی جو بہت مشہور ہوئی ۔ "زاد المسیر فی علم التفسیر" (۸ جلدون مین) لکھی جس کا ایک غیر مکمل نسخہ کتبخانہ خدیویہ مین موجود ہے ۔ ۵۹۷ھ مین رمضان کے جمعہ کی رات کو انتقال کر گئے

عبد الرحمن بن کمال سیوطی ۔ سیوط (واقع مصر) مین ۸۴۹ھ مین پیدا ہوئے ۔ شافعی المذہب تھے ہر علم مین کتابین لکھین ۔ کتاب موخر الذکر مین اونھون نے اپنی تالیف کی ہوئی بیس کتابون کے نام بتائے ہین جو صرف تاریخ مین لکھی گئین ۔ علم حدیث مین اور اوس کے متعلقات مین اونھون نے ۱۰۰ کتابین لکھین (اس تعداد مین شرح ۔ تلخیص اور تالیف تینون شامل ہین) جن مین سے جامع الکبیر ۔ خصایص الکبیر ۔ انموذج اللبیب ۔ مناہل الصفا ۔ مسانید الصحابہ ۔ الکلم الطیب ۔ الدالنثیر ۔ زہر الربی ۔ جمع الجوامع ۔ شرح الصدر عقود الزبرجد ۔ وصول الامانی ۔ نخبۃ الفکر ۔ ابواب السعادۃ الہیئۃ السنیہ وغیرہ کتابین کتب خانہ خدیویہ (واقع القاہرہ) مین بھی موجود ہین ۔ علامہ موصوف مفسر بھی تھے ۔ جلالین جو ایک مشہور تفسیر ہے انہین کی مدد سے لکھی گئی ۔ مفحمات الاقران فی مبہمات القران ۔ الدار المنثور فی تفسیر بالماثور (۵ جلدون مین) بعضون نے سیوطی کی تصنیفات کا اندازہ کیا تو ۱۴۵ سے زیادہ نکلین علامہ موصوف نے ۹۱۳ھ مین قضا کی ۔

عبد الملک بن حبیب السلمی اندلس کے سر برآوردہ مصنفون مین ان کا شمار

اول ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بے شمار کتابیں تالیف کیں جن کی مجموعی
تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ ان میں سے کتاب الواضح جو امام مالک کے
مذہب میں ہے نہایت مفید اور نہایت بسیط ہے علامہ موصوف نے سنہ ۳۹۹ھ
میں وفات پائی۔

ابوالفتح ۔ عثمان بن جنی نحوی موصل کا رہنے والا تھا سنہ ۳۲۲ھ میں پیدا
ہوا علوم عربیہ میں اس کو نہایت تبحر تھا۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ
اس کا شعر ہے۔

تحبب اوتدرع اوتعبا ؛ فلا واللہ لا ازداد حبا

ترجمہ ۔ تو محبت کر یا نہ کر میں تو بخدا اس سے زیادہ محبت تجھ سے نہیں کر سکتا

رمیت بسہمک کل قلبی ؛ فان رمت المزید فہات قلبا

ترجمہ ۔ ایک ہی تیر میں تو میرا دل لے گیا ۔ اگر اور تیر لگانے کی خواہش ہے تو لا اور ایک دل تو دے

ابن جنی نے نہایت ضخیم اور از حد بسیط کتابیں تصنیف کیں۔
نوادر فی العربیہ دو ہزار صفحے۔ شرح حماسہ ایک ہزار صفحے۔ تفسیر تصریف
المازنی ایک ہزار صفحے۔ تفسیر معانی دیوان المتنبی ایک ہزار صفحے۔ محاسن فی العربیہ
آٹھ سو صفحے۔ سر الصناعۃ ۸۰۰ صفحے۔ شرح المقصور والممدود آٹھ سو صفحے۔ کتاب
اللمع وغیرہ۔ علامہ حموی نے معجم الادبا میں ان کی تصنیف کی ہوئی ۴۰ کتابوں کے
نام بتلائے ہیں۔ ابن جنی علوم عربیہ میں ابو علی فارسی کا شاگرد تھا۔ اس نے
فقہ۔ عروض۔ تاریخ میں بھی مفید کتابیں لکھیں صفر سنہ ۳۹۲ھ کو بغداد میں
فوت ہوا۔

علی بن احمد بن سعید معروف بہ ابن حزم اندلس کے رہنے والے
تھے سنہ ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ جملہ علوم میں دسترس پیدا کی۔ اسلامی دنیا کو

کثیر التعداد مصنفوں مین نہایت ممتاز نمبر پایا۔ بے شمار کتابین لکھین۔ جن کی جلدون کی تعداد علامئہ حموی نے ۴۰۰ بتائی ہے اور صفحات کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار سے زیادہ علامئہ ابن حزم نے ۳۵۶ھ مین وفات پائی ۔

ابوالحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری البصری ۲۶۰ھ مین پیدا ہوئے ذکریا ساجی ابوخلیفہ الجمحی۔ سہل بن نوح۔ محمد بن یعقوب عقری اور عبدالرحمن بن خلف الضبی المصری سے روایت کرتے ہین۔ اولاً وہ محمد بن عبدالوہاب الجبائی کی شاگردی مین رہے جس کی وجہ سے وہ کئی برس تک اعتزال کی طرف مائل رہے یہان تک کہ فرقہ معتزلہ کے امام ہو گئے لیکن پھر ان پر اس فرقہ کی اصل حقیقت کھل گئی جس کو انھون نے جمعہ کے دن جامع بصرہ مین کرسی پر استادہ ہو کے بلند آواز سے ان الفاظ مین ظاہر کیا "من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا اعرفہ بنفسی انا فلان بن فلان کنت اقول بخلق القرآن وان اللہ لا یری بالابصار وان افعال الشر انا افعلہا وانا تائب مقلع معتقد الرد علی المعتزلہ مبین لفضائحہم ومعائبہم" مطلب یہ کہ مین پہلے اعتقاد رکھتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ خدائتعالیٰ کو ہم اپنی آنکھون سے نہین دیکھین گے۔ برے کامون کے کرنے والے ہم آپ ہین۔ لیکن مین اب علانیہ توبہ کرتا ہون اور معتقد ہون کہ مذہب معتزلہ سراسر عیب ہے اس کے بعد سے علامئہ اشعری نے معتزلیون پر رد لکھنا شروع کر دیا اور نفی واثبات کے درمیان کا طریقہ اختیار کیا جسپر باقلانی۔ ابن فورک اسفرائینی ابواسحٰق شیرازی۔ امام غزالی۔ ابوالفتح شہرستانی۔ امام رازی وغیرہ جیسے علما نے ان سے موافقت کی۔ ابوبکر ابن الصیرفی کہتا ہے کہ "معتزلہ نے خوب سر اوٹھایا۔ یہان تک کہ خدا نے اشعری کو پیدا کیا جس نے ان کا دم بند کر دیا

اشعری نے کتاب اللمع - کتاب الموجز - کتاب ایضاح البرہان - کتاب التبیین علی اصول الدین - کتاب الشرح والتفصیل فی الرد علی اہل الافک والتضلیل کتاب الابانہ وغیرہ (۵۵) کتابین لکھین اونہون نے تفسیر القرآن بھی لکھی جو (۷۰) جلدون مین ختم ہوئی - مذہب آن کا حنفی تھا - سال مین صرف سترہ درہم اون کا نفقہ تھا سنہ ۳۲۴ھ مین بغداد مین وفات پائی -

علامہ ابن حزم نے سنہ ۴۵۶ھ مین وفات پائی -

ابو الحسن علی بن اسمٰعیل معروف بہ ابن سیدہ مرسیہ (واقع اندلس) کا باشندہ تھا اوس نے کتاب المحکم (جس کا اختصار کرکے فیروز آبادی نے قاموس تیار کی) شرح حماسہ (۶ جلد) کتاب المخصص (۱۷ جلد) جیسی بسیط کتابین لکھین جو (۱۳۳) جلدون مین ختم ہوئین - ابن سیدہ صاعد بغدادی کا شاگرد تھا علم لغت مین امام تھا - شعر مین بھی بڑی لیاقت رکھتا تھا - اس کی کتابین جہان بسیط ہین - مفید اور نایاب بھی ہین - اوس نے ربیع الاول سنہ ۴۵۸ھ مین وفات پائی -

علی بن حسن معروف بہ ابن عساکر حافظ القرآن تھے دمشق مین سکونت اختیار کرلی تھی - کل ۹۰ کتابین لکھین جن کے اجزا کی تعداد (۱۱۶۲) بتائی گئی ہے - دمشق کی تاریخ لکھی جو (۵۷۰) جزو مین ختم ہوئی علامہ حموی معجم الادبا - ترجمہ ابن عساکر کی ذیل مین لکھتے ہین - "والی اربعمائة مجلس و ثمانية مجالس وخرج لشيخه ابی غالب ابن البناء اور عشر مشيخة" یعنے عساکر مذکور نے صرف ایک فن مین (۴۰۸) لکچر دئے اور اپنے شیخ ابی غالب ابن البناء کے لئے گیارہ تذکرہ لکھے - علامۂ مذکور کی خوبیان بیان سے باہر ہین اونہون نے جتنی کتابین لکھین اون سے خلق خدا کو بہت فائدہ پہونچا - عالم - عابد

کامل - زاہد تھے - اوائل ۲۹۹ھ میں عالم وجود میں آئے اور ۳۷۱ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے -

علی بن حسین بن محمد بن احمد بن ہیثم بن عبد الرحمان بن مروان بن عبداللہ بن مروان بن محمد بن مروان بن ابی العاص بن امیہ اموی قرشی المعروف بہ "ابوالفرج جہانی" ۲۸۴ھ کو اصفہان میں پیدا ہوا - بغداد میں پرورش پائی شعر - آثار - انساب - سیر - نحو - لغت - مغازی - خرافات - بیطاری - طبابت نجوم وغیرہ علوم میں مہارت پیدا کی - نہایت مفید کتابیں تصنیف کیں - کتاب آغانی (۱۰ جلدون) میں لکھی - مورخین کا بیان ہے کہ جب یہ کتاب نئی نئی لکھی گئی تو اوس کی قیمت ۱۰ ہزار درہم دیعنے ڈھائی ہزار روپیہ سے زیادہ تھی - صاحب ابن عباد جن کی لائبریری میں ۲ لاکھہ ستر ہزار کتابیں موجود تھیں اور جن کا یہ حال تھا کہ سفر و حضر میں تیس اونٹ کتابون سے لدے ہوئے مطالعہ کے لئے اپنے ہمراہ رکھتے تھے جب آن کو یہ کتاب آغانی مل گئی تو اون کو کسی کتاب کی ضرورت نہ رہی - ابوالفرج کے اشعار اور محاسن عرب میں مشہور ہیں اوس نے آغانی کے علاوہ اور بہر دل عزیز کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد (۲۶) سے زیادہ بتائی گئی ہے - شاہان اندلس کے لئے چند کتابیں لکھیں جن کے صلے میں اوس کو انعام بھی ملا - وزیر مہلبی کی مدح میں جو بڑا فیاض اور عالی ہمت تھا بہت قصائد لکھے - کتاب ایام العرب - جمہرت النسب - کتاب الدارایات -

چہارشنبہ چہاردہم ذالحجہ ۳۵۶ھ کو بغداد میں قضا کی -

علی بن زید ابوالحسن بن ابی القاسم البیہقی ۵۰۰ھ میں پیدا ہوئے عالم خوش اقبال اور فاضل باکمال تھے نہایت عمدہ کتابیں تصنیف کیں - جن میں سے

۸۰ کتابون کی فہرست علامہ حموی نے معجم الادبا مین دی ہے۔ سنہ ۵۶۵ھ مین وفات پائی۔

علی بن عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن ابی الطیب شہر نیشاپور کا رہنے والا تھا علامہ بے مثل اور مفسر بے بدل تھا سنہ ۴۱۴ھ مین سلطان محمود کے دربار مین آیا۔ بے نظیر کتابین تالیف کین۔ قرآن شریف کی تین تفسیرین لکھین۔ تفسیر کبیر (۳۰ جلد) تفسیر اوسط (۱۱ جلد) تفسیر صغیر (۳ جلد) علاوہ اس کے اور کتابین لکھین مگر وہ اس قدر مشہور نہین۔ ابن ابی الطیب اوائل سنہ ۴۵۸ھ مین راہی ملک عدم ہوا۔

علی بن فضال بن علی بن غالب بن جابر بن عبدالرحمن المشہور بہ قیروانی (قیروانی) شہر قیروان (واقع مراکش) کے رہنے والے تھے۔ نہایت مفید اور نہایت ضخیم کتابون سے آپ نے خلق کو فائدہ پہنچایا۔ کتاب السیر لکھی جو ۳۵ جلد [illegible] مین ختم ہوئی کتاب الدول (۳۰ جلدون مین) برہان العمیدی (۲۰ جلدون مین) وغیرہ وغیرہ۔ علامہ موصوف نے سنہ ۴۷۹ھ مین وفات پائی۔

علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی السیف المشہور بہ مدائنی سنہ ۱۳۵ھ مین پیدا ہوئے [illegible] عالم اجل تھے۔ نہایت عمدہ کتابین تصنیف کین۔ علامہ حموی نے معجم الادبا مین ان کی تصنیفات کی فہرست دی ہے جس مین (۲۴۳) کتابون سے زیادہ کے نام درج ہین۔ مدائنی نے سنہ ۲۲۵ھ مین وفات پائی۔

علی بن محمد الملقب بہ عزالدین ابن اثیر جزری۔ جزیرہ ابن عمر (واقع دریائے دجلہ) مین پیدا ہوئے تھے اس کی نسبت ان کو جزری کہتے ہین۔ نسب اور تاریخ مین آپ کو بڑا دخل تھا۔ بہت سی کتابین لکھین [illegible] تاریخ کامل جس مین پیدائش سے سنہ ۶۲۸ھ تک کا بیان ہے (۱۰ جلد مین) [illegible] لکھی

اسد الغابہ فی ذکر الصحابہ (۶ جلدون مین) لکھی اور اس مین ۷ ہزار ۵ سو صحابۂ کرام کا مفصل حال لکھا ہے اللباب فی معرفت الانساب (۲ جلدون مین) لیکن یہ کتاب علامہ سمعانی کی کتاب الانساب کا اختصار ہے۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول (۱۰ جلدون مین) وغیرہ وغیرہ۔

ابن اثیر نے شعبان ۶۳۰ھ مین قضا کی۔

علی بن النصرانی۔ المعروف بہ "ابو الحسن ابن الاطیب" نے بڑی لمبی چوڑی کتابین لکھین۔ کتاب بہجۃ السلطان (۲۰۰۰ صفحون مین) کتاب اصلاح المنطق (۳۰۰۰ صفحون مین) کتاب البراعۃ وغیرہ وغیرہ۔ ابن الناکم کتاب الفہرست مین لکھتا ہے "کان بیدہ الکتابی فاحبہ تکلین" ۳۷۷ھ مین وفات پائی۔

عمرو بن بحر بن محبوب کنانی بصری "جاحظ" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس کی دونون آنکھین باہر کو نکلی ہوئی تھین جس کی وجہ سے اس کی شکل ایسی بھیانک ہوگئی تھی کہ جب خلیفہ متوکل نے اوسے اپنے لڑکون کی تعلیم کے لئے بلایا تو اوس کو ۱۰ ہزار درہم دیکر الٹا واپس کر دیا۔ معتزلی المذہب تھا فرقہ جاحظیہ اس کی طرف منسوب ہے اوس نے ہر علم و فن کی کتابین تصنیف کین اور انعام بھی پایا۔

(۱) کتاب الحیوان۔ محمد بن عبد الملک کے لئے لکھی اور ۵ ہزار دینار انعام لیا۔

(۲) کتاب البیان والتبین۔ ابن ابی داؤد کے لئے لکھی اور ۵ ہزار دینار انعام لیا۔

(۳) کتاب الزرع والنخل۔ ابراہیم بن عباس الصولی کے لئے لکھی اور ۵ ہزار انعام لیا علامہ حموی نے جاحظ کے تصنیفات کی فہرست دی ہے جسمین

(۱۲۵) کتابین درج ہین -

سنہ ۱۶۵ھ مین پیدا ہوا تھا - اخیر عمر مین مفلوج ہوگیا تھا - مزید برآن مرض مصاۃ نے اس قدر تنگ کیا تھا کہ بیقرار ہو ہو جاتا تھا - محرم سنہ ۵۵۲ھ مین انتقال کر گیا -

عمر بن علی انصاری معروف بہ ابن الملقن سنہ ۷۳۳ھ مین پیدا ہوئے - مذہب ان کا شافعی تھا - نہایت مفید کتابین علم الحدیث اور اسماء الرجال وغیرہ مین لکھین - اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لکھی جو ۱۰۰ سو جز سے زیادہ مین ختم ہوئی - صحیح بخاری کی شرح شواہد التوضیح (۱۰ جلدون) مین لکھی -
سنہ ۸۰۴ھ مین اس دنیا سے رخصت ہوئے -

محمد بن احمد بن رشد قرطبہ مین سنہ ۵۱۴ھ مین پیدا ہوا - مالکی المذہب تھا - ہر وقت درس مین مشغول رہتا تھا - اور اس درس سے کوئی چیز اسی روک نہ سکتی تھی - چنانچہ کثرت تصانیف اس امر کی شاہد ہے - ابن آبار کہتا ہے کہ ابن رشد نے تصنیف و تالیف مین ۱۰ ہزار طبق کاغذون کے سیاہ کئے سوا ہے دو راتون کے کسی رات اوس نے مطالعہ کتب سے منہہ نہین موڑا - ایک تو زفاف کی رات اور ایک وہ رات جس مین اوس کے باپ نے وفات پائی - ابن رشد نے اکثر علوم مین تصنیفات چھوڑین مگر ان مین کتب فلسفہ کی تعداد سب سے بڑھی ہوئی ہے اور سب سے زیادہ بنائی گئی ہے - علم طب مین آخر ایک کلیات لکھی جو بہت مشہور ہوئی - ہیئت مین بھی دخل تھا - بطلیموس کی مشہور کتاب مجسطی کو مختصر کیا - اور اس پر مفید حاشیے چڑھائے اور اپنے نفس کو اس شخص سے تشبیہ دی جس کے گھر آگ لگ گئی ہو اور جسے قیمتی مال ہی بچا لینے مین پڑی ہو - ابن رشد کی زیادہ تعریف اس لئے ہے کہ اس نے ارسطو

کے مردہ فلسفے کو زندہ کیا اور نہایت کوشش سے اوس کے مسائل کو حل کیا اور حتی المقدور اون باتون کو ارسطو سے دی گئی تہمت پورا کیا۔ ۱۳۱ برس کی عمر مین وہ قضا پہ مامور ہوا۔ شاہان اندلس کے ہان اس کی بہت قدر تھی ۵۹۵ھ مین مراقش مین وفات پائی۔

ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن یزید بن ہاشم ہاشمی قریشی معروف بہ امام شافعی ۱۵۰ھ مین غزہ (واقع شام) مین تولد ہوئے اور اسی سال امام ابوحنیفہ دنیا سے اٹھ گئے۔ حمل کی رات اون کی والدہ نے خواب مین دیکھا تھا کہ مشتری اس کے پیٹ سے نکلا اور ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹکڑے جملہ اقطاع عالم مین بکھر گئے۔ معتبرین نے تعبیر دی کہ تیرے ہان ایک عالم پیدا ہوگا جس کے علم سے ایک زمانہ مستفیض ہوگا۔ امام حنبل کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین نے اپنے باپ سے پوچھا کہ "اے باپ شافعی کون تھا جس کے حق مین آپ اس قدر دعائین کیا کرتے ہین۔ امام نے کہا "بیٹا وہ آفتاب تھا دن کے لئے اور نجات تھا انسانون کے لئے"۔ ابوعبید کہتا ہے کہ "مین نے شافعی سے زیادہ باکمال نہین دیکھا"۔ امام شافعی نے حدیث مین ایک کتاب لکھی جو "سنن الشافعی" کے نام سے مشہور ہوئی۔ فقہ مین "کتاب الام" تصنیف کی۔ ان کی کتابون کی مکمل فہرست علامہ حموی نے دی ہے جس مین ۱۴۲ سے زیادہ کتابین درج ہین۔ ۲۰۴ھ مین مصر مین وفات پائی۔

ابوبکر محمد بن ذکریا رازی اسلامی دنیا کے بڑے بھاری طبیبون مین سے تھے۔ انہون نے کتاب الحاوی لکھنی شروع کی (جو ۳۰ جلدون مین ختم ہوئی) علاوہ ازین کتاب الاعصاب۔ کتاب المنصوری وغیرہ (۱۱۳) کتابین تصنیف کیا

لیکن ان مین سے اکثر علم طب ہی مین ہین - ابوبکر رازی کو طب - منطق - ہندسہ - موسیقی - علوم طبعی مین خوب ملکہ حاصل تھا - وہ مدت تک بیت الشفا (واقع بغداد) مین رئیس الاطبا کے عہدے پر ممتاز رہا - اوس کے بعد اوس نے رَیّ مین شفاخانہ بنا کر اپنا مطب جاری کیا - علم طب اوس نے حکیم ابی حسن بن زین الطبری مصنف فردوس الحکمۃ سے حاصل کیا تھا - کتاب الحاوی کو (جس کا جزو ربع کتب خانہ خدیویہ مین ہے) اوس نے اون متفرق رسالون سے جمع کیا جو جالینوس نے بقراط کے باقی ماندہ کلام سے جن کو ہنی اقلیموس کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے تالیف کئے تھے - اسی وجہ سے کہا کرتے ہین کہ طب معدوم تھا اوس کو جالینوس نے زندہ کیا - متفرق تھا اوس کو ابوبکر رازی نے جمع کیا ناقص تھا اوس کو ابن سینا نے مکمل کیا - اس کے اقوال مین سے ہے " مهما قدرت ان تعالج بالاغذا فلا تعالج بالادويه ومهما قدرت ان تعالج بدواء مفرد فلا تعالج بدواء مركب " یعنے غذا مین جو فائدہ ہے دوا مین نہین - مفرد دوا مرکب سے زیادہ علاج مین کام آتی ہے " آخر عمر مین وہ نابینا ہو گیا جس کی وجہ یون بیان کرتے ہین - کہ اوس نے ابی صالح منصور بن نصر سامانی کے سامنے کیمیا کی تعریف کی کہ اس اس طرح چاندی سونا بن سکتا ہے منصور کو بھی سنکر شوق ہو گیا اوس نے رازی سے اس شرط پر کہ اپنے دعوے کو سچا کر دکھاے تمام ضروری آلات و اسباب مہیا کرنے کا ذمہ کر لیا - لیکن جب حکیم کو کسی قسم کی ضرورت باقی نہین رہی اور وہ تجربون مین مشغول ہوا تو کیمیا اوس سے نہ بن سکی - منصور نے طیش مین آکر حکم دیا کہ وہی کتاب جس کا اوس نے حوالہ دیا تھا اوس کے سر پر ماری جاے یہان تک کہ وہ پرزے پرزے ہو جاے پس اس صدمہ سے حکیم کی آنکھون مین نزلے کا پانی اُتر آیا اور اوس کی

نابینائی کا باعث ہوا ۔ سنہ ۲۱۳ھ میں اوس نے وفات پائی ۔

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری وہ شخص ہے جس کی برابر دنیاے اسلام میں کسی مصنف کی تصنیفوں کی تعداد نہیں ۔ شہر آمل واقع طبرستان میں سنہ ۲۲۴ھ میں پیدا ہوا ۔ فن تاریخ میں تبحر حاصل کیا تھا ۔ علامہ حموی کی معجم الادبا میں لکھتے ہیں کہ "ابو جعفر طبری نے ۴۰ برس تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ اس طرح قائم رکھا کہ ہر روز ۴۰ ورق لکھتا تھا اور پھر دوبارہ ان کی پڑتال نہ کرتا تھا" پس اس حساب سے اس نے ۴۰ × ۴۰ × ۳۶۵ ورقوں پر خامہ فرسائی کی ۔ (یعنی ۵ لاکھ ۸۴ ہزار ۴ سو ورق پر) اگرچہ یہ روایت کسی قدر مبالغہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن اس سے مورخ طبری کی وسیع تصنیفات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ایک روز اس نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ میں نے ایک تاریخ لکھی جس میں حضرت آدم سے لیکر آج تک کے واقعات درج ہیں انہوں نے ضخامت پوچھی ۔ ابن جریر نے کہا ۳۰ ہزار ورق انہوں نے کہا اس کے دیکھنے میں عمر غارت ہو جائیگی ابن جریر نے کہا افسوس تمہاری ہمتیں پست ہو گئیں اور پھر اوس کو مختصر کیا ابن جریر کی اکثر کتابوں کا پتہ نہیں چلتا ۔ اس نے جامع البیان فی تاویل القرآن (۳۰ جلدوں) میں لکھی جو اب بھی کتب خانہ خدیویہ میں قلمی موجود ہے "تاریخ الامم والملوک (۱۱ جلدوں میں چھاپی گئی ہے) مورخ موصوف نے شوال سنہ ۳۱۰ھ میں ۲ لیڈن
رحلت کی اور وہ بغداد میں اپنے گھر کے اندر مدفون ہوا ۔

محمد بن عبد الواحد معروف بہ مطرز یا دردی یا دردیا بیوردی (واقع خراسان) کا رہنے والا تھا سنہ ۲۶۱ھ میں پیدا ہوا ۔ تصنیفات میں اس قدر اشتغال رکھتا تھا کہ کسب معیشت نہ کر سکا اسی واسطے افلاس میں گذارتا تھا ۔ علم لغت میں [illegible]

مہارت تھی۔ ایک کتاب اس علم میں لکھی جو ۳۰ ہزار ورق میں ختم ہوئی۔ یہ عالم اپنے حافظہ کے اعتماد پر تصنیف کرتا تھا اس کی روایت اور درایت کو اس قدر وسعت حاصل تھی کہ لوگوں نے اسے کاذب تصور کیا۔ سنہ ۲۴۵ھ میں فوت ہوا۔

محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی قریش کے قبیلے بنی تمیم سے تھے سنہ ۵۴۴ھ کو شہر رے میں پیدا ہوئے شافعی مذہب تھے۔ ابن الخطیب ابو محمد فخر الدین رازی کے نام سے مشہور ہوئے۔ شہاب الدین غوری کے ہاں آپ کی بہت قدر تھی۔ ہرات میں اکثر وعظ کرتے رہے۔ دور دور کے لوگ ان کے پاس استفسار مسائل کے لئے آتے تھے۔ جب کہیں کہیں سوار ہو کر نکلتے تھے تین سو طالب علم ان کے ہمرکاب ہوتے تھے مدت تک خوارزمیہ کالج کے مدرس رہے۔ آپ نے کئی علوم میں تصنیفات چھوڑیں جو شہرۂ آفاق ہوئیں۔ تفسیر کبیر (۶ جلد) سر مکتوم۔ مطالب العالیہ۔ نہایۃ العقول۔ شرح اشارات۔ شرح کلیات وغیرہ کتابیں لکھیں جن کی تعداد (۲۰۰) سے زیادہ بتائی گئی ہے عربی زبان میں نہایت فصیح شعر کہتے تھے جو اکثر پند و نصیحت سے مملو ہیں علم کلام میں آپ پر اپنی زبان میں کوئی سبقت نہیں لے گیا۔ آپ کے فضائل اور شمائل آپ ہی کے ساتھ گئے۔ آپ کے وعظ میں سامعین کو وجد کی حالت ہوتی تھی۔ آپ کے باپ دادا طبرستان کے رہنے والے تھے۔ آپ نے یکم ماہ شوال سنہ ۶۰۶ھ کو ہرات کے مدرسہ میں وفات پائی۔

محمد بن محمد طرخان بن اوزلغ المعروف بہ ابو نصر فارابی سنہ ۲۵۹ھ میں شہر فاراب نواح ترکستان میں پیدا ہوا۔ بغداد میں توطن اختیار کیا تھا۔ ترکی اس کی مادری زبان تھی جس کے علاوہ عربی۔ یونانی۔ سریانی وغیرہ زبانیں [illegible] [illegible] سکھ لی تھیں۔ فلسفہ۔ منطق۔ [illegible] میں کمال حاصل کر لیا۔ [illegible]

ان علوم مین تصانیف بھی نہایت عمدہ چھوڑین مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ جب تک ۳۰ دفعہ کتاب کو اول سے آخر تک نہ دیکھہ لیتا بس نہ کرتا تھا۔ حکما ارسطو کو معلم اول اور اوسے معلم ثانی کہتے ہین۔ منطق مین ان معلومات کا اضافہ کیا جو یعقوب ابن اسحق کندی سے بھی چھٹ گئی تھین۔ "کتاب الحروف" کا جو ارسطو کی تصنیفات مین سب سے زیادہ ادق ہے ابو علی بن سینا نے ۴۰ دفعہ مطالعہ کیا مگر مطلب حل نہین ہوا۔ ایک دفعہ بازار مین کتب فروشون مین اس کا گذرا ہوا کسی کتب فروش نے اوسے ایک چھوٹا سا رسالہ بغرض فروخت دکھایا۔ ابن سینا نے کچھہ التفات نہین کی اور قریب تھا کہ چلا جاے مگر کتب فروش نے کہا کہ مجھکو کچھہ خرچ کی ضرورت ہے آپ اس کو تین درہم مین خرید لیجیے چونکہ یہہ مقدار نہایت قلیل تھی۔ ابن سینا نے اس کے خریدنے مین کچھہ دریغ نہین کیا۔ جب گھر آیا تو معلوم ہوا کہ یہہ رسالہ ابو نصر فارابی کا لکھا ہوا ہے جس مین وہ الحروف کے مسائل پر کچھہ بحث کرتا ہے۔ ابن سینا بہت خوش ہوا۔ اور اس پر الحروف کے تمام مسائل منکشف ہوگئے۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ "سیف الدولہ نے ابو نصر کا یومیہ ۴ درہم مقرر کردیا تھا چونکہ وہ تارک الدنیا تھا اس لیے اسی پر قناعت کرتا تھا" حکیم موصوف نے علم الٰہی اور علم مدنی مین کتاب سیاستہ مدینہ اور کتاب سیرۃ فاضلہ بے نظیر کتابین لکھین اس کی تصانیف کی تعداد (۷۲) سے زیادہ ہے سنہ ۳۳۹ھ مین بغداد مین انتقال کیا اور زباب صغیر کے باہر مدفون ہوا۔

محمد بن محمد غزالی ملقب بہ حجۃ الاسلام طوس (یعنے مشہد) کے رہنے والے تھے مدتون بغداد مین رہے۔ مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلےٰ ہوگئے پھر وہان سے نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ مین چلے آے گئے اور درس دیتے رہے۔

پھر شام گئے۔ اسکندریہ کی سیر کی۔ مفسر تھے۔ قرآن کی تفسیر "قوت التاویل" (۴۰) جلدون مین لکھی۔ تصوف مین بھی دخل تھا چنانچہ اس علم مین بھی گیارہ بارہ کتابین تصنیف کین۔ آپ کی تمام کتابون کی تعداد (۹۹) بتائی گئی ہے جس مین سے احیاء العلوم (۴ جلد) قواعد العقائد۔ جواہر القرآن۔ مشکوٰۃ الانوار وغیرہ مشہور ہین ۵۰۵ھ مین ۵۵ برس کی عمر مین وفات پائی۔

محی الدین بن عربی مرسیہ (واقع اندلس) مین ۵۶۰ھ مین تولد ہوئے فصوص الحکم۔ مواقع النجوم۔ فتوحات مکیہ وغیرہ کتابین لکھین۔ صاحب نفحات الانس کسی ذریعہ سے لکھتے ہین کہ بعض اصحاب کی استدعا سے ابن عربی نے ایک رسالے مین اپنے تالیف کے نام جمع کئے جن کی تعداد ۲۵۰ سے زیادہ ہے فرماتے تھے کہ اس سے میری غرض تصنیف نہ تھی بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ایک امر لاحق ہوتا تھا اور قریب تھا کہ مین اوس کی سوزش سے جل جاؤن لیکن مین نے اپنے تئین بعضے راز کے اظہار مین مشغول کیا۔ آپ نے ایک تفسیر بھی لکھی جو تفسیر ابن عربی کے نام سے مشہور ہے اور دو جلدون مین ہے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے۔ اور تصوف مین تو اوستاد تھے اس علم مین اونہون نے اس قدر ترقی کی تھی اور ایسے ایسے غوامض کا پتا لگایا کہ بعض ناسمجھ لوگون نے ان کی ماہیت کو نہ سمجھ کر اون پر کفر کا فتوے لگایا۔ ۶۳۸ھ ۲۲ ربیع الآخر جمعہ کی راتکو قضا کی اور موضع صالحیہ مین دمشق کے پاس مدفون ہوئے۔

معمر بن مثنی تیمی بصری نحوی ۱۱۰ھ مین پیدا ہوا ۱۸۸ھ مین ہارون الرشید نے اوسے بصرہ سے بغداد مین بلا لیا اور اوس کی تصنیف کی ہوئی کتابین پڑھین۔ یہ شخص ابو عبیدہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اصمعی سے اس کی نوک جھوک رہتی تھی۔ ابو نواس شاعر اسی عالم کا شاگرد تھا۔ ابو عبیدہ کی عبارت

غیر فصیح بہت ہوا کرتی تھی اور شعر بھی اکثر ناموزون پڑھا کرتا تھا۔ تصنیف کی دھن مرتے دم تک اُس کے سر سے نہین گئی۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ مولفات اس عالم کی اندازاً ۲۰۰ کے قریب ہین جن مین اُس نے اپنے عہد کے تمام مشہور علوم یعنی لغت۔ ادب۔ تاریخ الطبعی۔ طب۔ تفسیر۔ حدیث وغیرہ سے بحث کی ہے۔ کتاب العرس مجاز القرآن۔ ایام الکبیر۔ کتاب اللغات۔ کتاب الاضداد وغیرہ اس نے تالیف کین ۲۰۹ھ مین بصرہ مین وفات پائی۔

ہشام بن ابی النصر محمد بن سائب و بشیر بن عمر معروف بہ ابن کلبی نسابہ کو فی انساب مین اوس کو کمال تصرف تھا اور اسی وجہ سے اوس کا لقب نسابہ پڑ گیا تھا ابن خلکان نے اس کو علم تفسیر مین بھی امام لکھا ہے۔ حافظہ اس کا اس قدر قوی تھا کہ تین روز مین اوس نے کلام مجید یاد کر لیا۔ اس نے بے تعداد کتابین تصنیف کین جو سب اعلےٰ انفع اور احسن ہین۔ کتاب الجمہرۃ۔ کتاب المنافرات۔ کتاب المثالب کتاب الکنی۔ کتاب المشاجرات۔ کتاب المعاتبات۔ کتاب النوائل۔ کتاب ملوک الطوائف کتاب ملوک کندہ وغیرہ جن کی تعداد اندازاً ۱۵۰ سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ ابن کلبی نے ۲۰۴ھ مین وفات پائی۔

یعقوب ابن اسحٰق کندی المشہور بہ فیلسوف الاسلام بصرہ مین پیدا ہوا۔ اور وہین ۲۶۶ھ مین مر گیا۔ فلسفہ کے علاوہ ہندسہ۔ ہیئت۔ طب۔ منطق وغیرہ علوم بھی جانتا تھا۔ عربی کے سوا یونانی ہندی۔ فارسی وغیرہ زبانین بھی اس کو آتی تھین مامون الرشید نے اس کو بیت الحکمۃ مین تصنیفات ارسطو کے ترجمے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے اکثر علوم مین تصنیفات چھوڑین جن کی تعداد مین (۵۰) کتابین اور (۲۵۰) رسالے شامل ہین جو تمامہ کتاب عیون الانبا فی طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ مین مذکور ہین۔ ابن خلکان کہتا ہے "یعقوب بن اسحٰق کندی

مسمی فیلسوف الاسلام اشعث بن قیس کوفی کی اولاد سے تھا۔ وہ بغداد میں گیا اور علم فلسفہ و ادب میں مشغول ہو کر نہایت عمدہ اور ضخیم کتابیں تصنیف کین جن مین سے کتاب اقسام الاسنی۔ کتاب الجوامع الفکریہ۔ کتاب فلسفۃ الاولی نہایت جید ہین۔ اس نے کتاب المنطق کتاب التوحید۔ کتاب الموسیقی۔ کتاب فی اثبات النبوۃ۔ کتاب فی الادب لکھین۔ اوس کے مشہور رسالون مین سے کمیتہ کتب ارسطو۔ مقیاس العلمی وغیرہ بھی ہین۔

یوسف بن فرغلی بن عبداللہ ۱۱۸۱ء مین بغداد مین پیدا ہوا۔ ابوالمظفر شمس الدین کے نام سے مشہور ہوا علامہ ابن جوزی کا نواسا تھا۔ عالم فاضل فقیہہ محدث تھا۔ اس کی مجلس مین فضلا۔ صلحا۔ ملوک۔ امرا۔ شامل ہوتے تھے اور اسکو وعظ مین سامعین کا بڑا ہجوم رہتا تھا۔ اس فاضل کی بے نظیر تصنیفات سے خلق کو بہت فائدہ ہوا۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ مین نے اوسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ مراۃ الزمان دیکھی۔ کتاب بے نظیر ہے۔ اس عالم نے تفسیر القرآن ۲۹ جلد ومیں شرح جامع کبیر مناقب النعمان وغیرہ کتابین لکھین ۲۱ ماہ ذالحجہ کی رات کو ۲۵۴ھ مین فوت ہوا

ان کے علاوہ اور بہت سے نامور مصنف ہوئے جن مین سے بعض کی مجمل فہرست دیجاتی ہے

نام معہ سنہ وفات	[illegible]
ابراہیم حربی المتوفی سنہ ۲۵۸ھ	۳۲ مختصر علم حدیث
سہل بن محمد ابو حاتم السجستانی المتوفی سنہ ۲۴۸ ہجری ـ	۳۰
عبدالحی الصاری المتوفی سنہ ۱۳۰۴ھ	۹۱
علی بن شمیم الحلی المتوفی سنہ ۱۶ھ	۳۸
علی بن عبیدہ الریحانی المتوفی سنہ ۱۷ھ	۵۱
لوط بن محنف الازدی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ	۳۴
محمد بن اسحق ابو النفس الصیمری المتوفی سنہ ۲۷۵ھ	۳۵
محمد بن محمد رزی المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ	۵۴
یعقوب بن اسحق ابن سکیت المتوفی سنہ ۲۴۴ ہجری ـ	۳۶

نام معہ سنہ وفات	[illegible]
ابوبکر بن محورک المتوفی سنہ ۴۰۶ھ	۱۰۰
عبدالحق دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ	۱۰۰
عبدالملک اصمعی سنہ ۲۱۷ھ	۳۵
علی بن حسین مرتضےٰ الہدیٰ المتوفی سنہ ۴۳۶ھ ـ	۳۰
علی بن محمد سید شریف المتوفی سنہ ۸۱۶ھ ـ	۴۰
علی بن ابی طالب المقری المتوفی سنہ ۴۳۵ھ ـ	۳۰
محمد بن حبیب بغدادی المتوفی سنہ ۲۴۵ھ ـ	۴۰
مجد الدین فیروز آبادی المتوفی سنہ ۸۱۷ھ	۴۰

ان کے علاوہ صدہا اور بھی نامی مصنف گذرے ہیں

تمام شد

علماے سلف کا دوسرا ضمیمہ علم کی فضیلت مین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور سکہاے اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو نام ساری مخلوقات کے عالم علویات سے عالم سفلیات تک ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ پہر پیش کیا اشخاص اون مسمیات کو فرشتون پر اس لیے کہ وہ کہتے تھے اَتَجْعَلُ فِیْهَا الخ یعنی تو اللہ تعالی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے کہ وہ زمین مین فساد اور خون ریزی کرے گا فَقَالَ پس فرمایا خالق مطلق نے نہ از روے تکلیف اور حکم کے بلکہ بطریق تنبیہ کے اُن کے عاجز ہونے پر عہدہ خلافت سے اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ خبردو اے فرشتو مجہے کہ نام ہین اون کے جو کہ پیش کیے گئے ہین تم پر اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اگر ہو تم سچے طعن کرنے مین استحقاق خلافت آدم علیہ السلام کے حالانکہ خلیفہ کو علم چاہیے اور تم بے علم ہو قَالُوْا سُبْحٰنَکَ کہا سب فرشتون نے بعد ثبوت اپنی جہالت کے اون باتون سے بطریق معذرت کے کہ تنزیہ کرتے ہین تیری پاکی کے تو اے اللہ اور عرض کی جناب باری مین کہ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝ نہین ہے کچہہ علم ہمکو مگر جو کچہہ کہ تو نے سکہایا ہم کو بیشک توہی ہے جاننے والا اور حکمت والا (تفسیر حسینی) حدیث عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ

رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ قال من سلک
طریقا من العلم سلک اللہ بہ طریقا فی الجنۃ وان العالم یستغفر لہ
من فی السموات ومن فی الارض حتی الحیتان فی البحر وان العلماء
ورثۃ الانبیاء **ترجمہ** فرمایا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا جناب رسول
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص کہ چلا راہ علم میں یعنی تحصیل علم دین کے واسطے
سفر میں نکلا اور چلا چلاوے گا اسکو اللہ تعالی راہ جنت میں اور استغفار کرتے ہیں
واسطے اوس کے خلائق جو آسمان اور زمین میں ہیں یہاں تک کہ مچھلیاں دریا میں اور
تحقیق علما وارث ہیں نبیوں کے **حدیث** عن ابی ذر انہ قال علیہ السلام
یا اباذر لان تغدو فتعلم آیۃ من کتاب اللہ تعالی خیر لک من
ان تصلی مائۃ رکعۃ ولان تغدو فتعلم بابا من العلم خیر لک من
ان تصلی الف رکعۃ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من تعلم بابا من
العلم لیعلم الناس اعطی لہ ثواب سبعین نبیا وقال صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم من جلس عند العالم ساعتین او اکل معہ لقمتین او
امشی معہ خطوتین اعطاہ اللہ تعالی جنتین کل جنۃ مثل الدنیا
مرتین (مشکوٰۃ الانوار) **ترجمہ** روایت ہے حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے
کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے ابو ذر اگر ہر صبح پڑھا کرو تم ایک
آیت قرآن شریف کا بہتر ہے تمہارے لئے سو رکعت نماز نفل سے اور اگر ہر صبح
سکھاؤ تم کسی کو ایک باب علم بہتر ہے واسطے ہزار رکعت نماز سے فرمایا نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے جس نے سکھایا کسی کو ایک باب علم کا اس نیت سے کہ وہ سکھائیگا اوروں کو

دیگا اللہ تعالی اوس کو ثواب ستر نبیون کا اور فرمایا آپ نے جو شخص کہ بیٹھا عالم کے پاس
دو گھڑی یا کہ کہائے اوس کے ساتھہ دو لقمے یا کہ سُنے اوس سے دو کلمے یا کہ چلے
ساتھہ اوس کے دو قدم دیگا اللہ جلشانہ اوس کو ایسی دو جنتین کہ ہر ایک مثل دو دنیا
کے ہونگی **حدیث** عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ جِبْرَئِيلَ عَنْ صَاحِبِ الْعِلْمِ فَقَالَ هُمْ سِرَاجُ
أُمَّتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ طُوبٰى لِمَنْ عَرَفَهُمْ وَالْوَيْلُ لِمَنْ أَنْكَرَهُمْ
وَأَبْغَضَهُمْ (کذا فی الشی) ترجمہ مروی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا
خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا مین نے حضرت علیہ السلام سے
درجہ عالم کا کہا وہ لوگ آپ کی امت کے چراغ ہین دنیا اور آخرت مین خوش ہین وہ لوگ
جنہون نے مرتبہ عالم کا پہچانا اور عذاب ہے واسطے اون لوگون کے کہ انکار کیا انہون نے
عالمون سے اور بغض رکہا اون کے ساتھہ اور بے ادبی او گستاخی کی اون سے
حدیث مُروِیٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ
مَنْ صَلَّى الصَّلٰوةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَجَلَسَ فِي حَلْقَةِ الْعِلْمِ وَسَمِعَ كَلَامَ
اللّٰهِ وَعَمِلَ بِهِ أَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى سِتَّةَ أَشْيَاءَ الرِّزْقُ مِنَ الْحَلَالِ
وَيَنْجُو مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيُعْطٰى كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ
كَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ وَيُحْشَرُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَبَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ لَهُ أَرْبَعُونَ بَابًا (زبدة الواعظين) ترجمہ روایت
فرمایا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص نے کہ پڑہی نماز جماعت کے ساتھہ
اور بیٹھا حلقہ علم مین اور سنا کلام اللہ کو اور عمل کیا مطابق اوس کے دیگا اللہ تعالی

اوس کو چھہ چیزین رزق حلال کا اور نجات پائیگا وہ شخص عذاب قبر سے اور دیا جائیگا قیامت کے دن اعمالنامہ اوس کے داہنے ہاتھہ مین اور گذریگا وہ پل صراط سے مثل بجلی کے اور اٹھایا جائیگا وہ پیغمبرون کے ساتھہ اور بناویگا اللہ تعالی اوس کے لئے ایک گہر بہشت مین یاقوت سرخ سے اوس کے چالیس دروازے ہونگے

حدیث عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّہٗ قَالَ لِلْعُلَمَاءِ دَرَجٰتٌ فَوْقَ دَرَجَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِسَبْعِ مِائَةِ دَرَجَةٍ مَّا بَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ یُقَالُ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ بِخَمْسَةِ اَوْجُہٍ اَلْاَوَّلُ الْعِلْمُ بِغَیْرِ عَمَلٍ یَکُوْنُ وَالْعَمَلُ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَّا یَکُوْنُ وَالثَّانِیْ اَلْعِلْمُ بِغَیْرِ عَمَلٍ یَّنْفَعُ وَالْعَمَلُ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَالثَّالِثُ اَلْعِلْمُ نُوْرٌ کَالسِّرَاجِ وَالْعَمَلُ مُنَوَّرٌ بِہٖ وَالرَّابِعُ اَلْعِلْمُ مَقَامُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَالْخَامِسُ اَلْعِلْمُ صِفَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْعَمَلُ صِفَةُ الْعِبَادِ وَصِفَةُ اللّٰہِ اَفْضَلُ مِنْ صِفَةِ الْعِبَادِ (تفسیر تیسیر) **ترجمہ** روایت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا انھون نے عالمون کے سات سو درجے اور مومنون کے درجون سے زاید ہین اور درمیان دو درجون پانچسو برس کا فاصلہ اور کہتے ہین کہ علم افضل ہے عمل سے پانچ وجہون سے اوّل علم حاصل ہوتا ہے بغیر عمل کے اور عمل بغیر علم کے حاصل نہین ہوتا دوسرے علم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے اور عمل بغیر علم کے نفع نہین دیتا ہے تیسرے علم ایک نور ہے مثل چراغ کے اور عمل روشن ہی علم سے چوتھے علم مقام انبیا کا ہے جیسا کہ فرمایا حضرت البشیر الشفیع یوم محشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علما میری امت کے مثل انبیائے بنی اسرائیل کے ہین پانچوین علم صفت خدا کی ہی اور عمل صفت

بندون کی اور صفت اللہ بہتر ہے صفت بندون سے **حدیث** عن ابن عباس
رضی اللہ عنہما انہ قال خیر سلیمان علیہ السلام بین العلم و الملک
فاختار العلم فاعطی لہ العلم و الملک ترجمہ روایت ہے حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے کہ اختیار دئے گئے حضرت سلیمان علیہ السلام درمیان علم اور ملک کے
یعنی خدا تعالیٰ نے فرمایا اے سلیمان جو ان دونون سے تم پسند کرو وہی تم کو دونگا پس پسند کیا
آپ نے علم کو پھر دیا منعم حقیقی نے اون کو علم اور سلطنت دونون **قول** وقال بعض العارفین
العلم ثلاثة احرف عین و لام و میم و اشتقاق العین من علیین و اشتقاق
اللام من اللطف و اشتقاق المیم من الملک فالعین یجاوز صاحبہ
الی علیین و اللام یجعلہ لطیفا و المیم یجعلہ ملکا علی الخلق و یقال
یدل علی شرف العلم امرہ تعالی لمحمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم
وقل رب زدنی علما لان اللہ تعالی اعطی محمدا کل الکمال و
لم یامر بطلب زیادتہ غیر العلم (مجالس الابرار) ترجمہ اور کہا بعض
عارفون نے علم کے تین حرف ہین عین اور لام اور میم اشتقاق عین کا علیین سے ہے
اور لام کا لطف سے اور میم کا ملک سے پس عین لیجاتا ہے عالم کو علیین مین اور لام اوسکو
لطیف کر دیتا ہے اور میم مالک کرتا ہے اوس کو خلق پر اور کہا ہے بعضون نے کہ
دلالت کرتا ہے شرافت علم پر فرمان واجب الاذعان حضرت رحمان تقدس و تعالیٰ کا
واسطے جناب احمد مجتبے محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یعنے کہو تم اے محمد صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم اے رب میرے زیادہ دے تو مجھکو علم اسواسطے کہ دئے اللہ تعالیٰ نے
آپکو تمام کمالات اور نہین حکم فرمایا اونکو کہ چاہین زیادہ کوئی چیز سوا علم کے **حکایت**

حُکِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰی
الشَّیْطَانَ عِنْدَ بَابِہٖ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَا اِبْلِیْسُ مَا تَصْنَعُ
ھُنَا فَقَالَ الشَّیْطَانُ اُرِیْدُ اَنْ اَدْخُلَ الْمَسْجِدَ اُفْسِدُ صَلٰوۃَ ھٰذَا الْمُصَلِّیْ
وَلٰکِنْ اَخَافُ مِنْ ھٰذَا الرَّجُلِ النَّائِمِ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
لِمَ لَا تَخَافُ مِنَ الْمُصَلِّیْ وَھُوَ فِی الْعِبَادَۃِ وَالْمُنَاجَاتِ مَعَ رَبِّہٖ وَتَخَافُ
مِنَ النَّائِمِ فِی الْغَفْلَۃِ قَالَ الشَّیْطَانُ الْمُصَلِّیْ جَاھِلٌ وَفَسَادُہٗ اَسْھَلُ
وَلٰکِنَّ النَّائِمَ عَالِمٌ اِذَا اَغْوَیْتُ الْمُصَلِّیْ وَاَفْسَدْتُ صَلٰوتَہٗ اَخَافُ
مِنْ تَیَقُّظِہٖ وَاِصْلَاحِہٖ عَجَلًا فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
نَوْمُ الْعَالِمِ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ الْجَاھِلِ (منہاج المتعلمین) ترجمہ نقل ہے
کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے مسجد کے دروازے پر پس دیکھا آپ نے
شیطان کو نزدیک دروازے کے اور فرمایا آپ نے کیا کرتا ہے تو اے ابلیس اس جگہ پس کہا
ابلیس نے ارادہ کرتا ہوں میں کہ داخل ہوں اس مسجد میں اور خراب کروں نماز اس نمازی کی
لیکن میں ڈرتا ہوں اس شخص سے جو سوئے ہوئے سے فرمایا حضرت نے کہ کیوں ڈرتا ہے تو
نمازی سے حالانکہ وہ عبادت اور مناجات میں ہے اور کیوں ڈرتا ہے تو اس شخص
سوئے ہوئے سے غفلت میں کہا شیطان نے کہ یہ جاہل ہے اور خراب کرنا اوسکا
یعنی اسکی نماز کا بہت آسان اور سہل ہے مگر یہ سونے والا عالم ہے اگر میں اوسکا یعنی
نمازی کو اور فاسد کروں نماز اوسکی کو تو ڈرتا ہوں کہ بیدار ہو جاوے یہ عالم اور اسکی
بہت جلد اصلاح کر دے پس فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نیند عالم کی بہتر ہے
عبادت جاہل سے حدیث قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَحْفَظَ الْعِلْمَ فَعَلَیْهِ اَنْ یَّلْزِمَ خَمْسَ خِصَالٍ اَلْاُوْلٰی
صَلٰوۃُ اللَّیْلِ وَلَوْ رَکْعَتَیْنِ وَالثَّانِیَۃُ دَوَامُ الْوُضُوْءِ وَالثَّالِثَۃُ التَّقْوٰی
فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَالرَّابِعَۃُ اَنْ یَّاْکُلَ لِلتَّقْوٰی لَا لِلشَّہْوَاتِ
وَالْخَامِسَۃُ السِّوَاکُ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خَیْرُ الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَۃِ مَعَ الْعِلْمِ وَالْعَالِمُ الْوَاحِدُ اَکْبَرُ مِنْ جِہَۃِ الْفَضْلِ عِنْدَ اللّٰہِ
تَعَالٰی مِنْ اَلْفِ شَہِیْدٍ وَالْمُرَادُ مِنَ الْعَالِمِ فِیْ ہٰذَا الْحَدِیْثِ ہُوَ عَالِمٌ
عَمِلَ بِعِلْمِہٖ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ تَحْتَ
الْعَرْشِ مَدِیْنَۃً مَکْتُوْبٌ عَلٰی بَابِہَا مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ فَکَاَنَّمَا زَارَ الْاَنْبِیَا
وَلِذَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جُلُوْسُ سَاعَۃٍ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ اَحَبُّ
اِلَی اللّٰہِ مِنْ عِبَادَۃِ اَلْفِ سَنَۃٍ **ترجمہ** فرمایا حضرت نبی علیہ الصلوۃ والسلام
نے جو شخص ارادہ کرے حفاظت علم کا پس لازم ہے اوس پر اختیار کرنا پانچ خصلتوں کا
پہلی نماز رات کی اگرچہ دو ہی رکعت ہوں دوسری ہر وقت باوضو رہنا تیسری تقوی
کرنا ظاہر و باطن میں چوتھی کہاوے وہ شخص واسطے تقوے کے نہ واسطے شہوت کے
پانچویں مسواک کرنا اور فرمایا آپ نے بہتری اور فتح دنیا اور آخرت کا علم سے ہے
اور ایک عالم بڑا اور بزرگ ہے از روئے فضیلت کے نزدیک خدا تعالی کے ہزار
شہیدوں سے اور مراد عالم سے اس حدیث میں عالم باعمل ہے اور فرمایا آپ نے
تحقیق خدا تعالی نے پیدا کیا ہے نیچے عرش معلی کے ایک شہر اوس کے
دروازے پر لکھا ہے جس نے زیارت کی عالموں کی گویا زیارت کی اوس نے
نبیوں کی اور اسی واسطے فرمایا آپ نے کہ بیٹھنا ایک گھڑی کا نزدیک عالموں کے

بہتر ہے نزدیک خدا تعالیٰ کے عبادت ہزار سال سے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ علم
پڑھیں اور فضیلت پائیں اور علما اور طلبا کی صحبت کے ثواب کو حاصل کریں حدیث
قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ تَحْتَ الْعَرْشِ
مَدِیْنَۃً مِّنْ نُّوْرٍ مِّثْلَ الدُّنْیَا عَشَرَ مَرَّاتٍ فِیْھَا اَلْفُ شَجَرٍ بِاَغْصَانٍ لُّؤْلُؤٍ
وَّیَاقُوْتٍ وَّزَبَرْجَدٍ وَّمَرْجَانٍ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ فُتِحَتْ اَوْرَاقُھَا
ثُمَّ یُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنْ قِبَلِ الرَّحْمٰنِ اَیْنَ الَّذِیْنَ صَلَّوا الصَّلٰوۃَ الْخَمْسَ مَعَ
الْجَمَاعَۃِ فَجَلَسُوْا فِیْ حَلْقَۃِ الْعِلْمِ تَعَالَوْا اِلٰی ظِلِّ ھٰذِہِ الْاَشْجَارِ الْیَوْمَ فَیَجِیْئُوْنَ
فَیَجْلِسُوْنَ تَحْتَ الْاَشْجَارِ ثُمَّ یُوْضَعُ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ مَائِدَۃٌ لَّا یَنْزِیْ فِیْھَا مَا
تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ فَیُقَالُ لَھُمْ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا کَذَا فِیْ
مکاشفۃ الاسرار ترجمہ فرمایا حضرت نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ تحقیق خدا تعالیٰ
نے پیدا کیا ہے ایک شہر نور کا نیچے عرش معلیٰ کے کہ وہ برابر ہے دس دنیا کے اور اس میں
ہزار درخت ہیں موتی اور یاقوت اور زمرد اور مونگے کے اور جب قیامت ہوگی نکلیں گے
پتے اون کے پس ندا کرے گا ایک منادی اللہ کی طرف سے کہاں ہیں وہ لوگ کہ نماز
پنجگانہ جماعت سے ادا کرتے تھے اور بیٹھا اون کے حلقۂ علم میں بیٹھتے تھے آئیں آج ان
درختوں کے سایہ کے نیچے پس آئیں گے وہ لوگ اور بیٹھیں گے نیچے اون
درختوں کے اور رکھے جائیں گے سامنے اون کے خوان نور کے اون میں وہ وہ
چیزیں ہوں گی جو انکا جی چاہے گا اور خوش ہوں گے اوس سے اونکی آنکھیں پھر کہا جائیگا
اون کو کھاؤ تم سب حدیث وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ
مُؤْمِنٍ یَحْزَنُ بِمَوْتِ الْعَالِمِ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثَوَابَ اَلْفِ عَالِمٍ وَاَلْفِ

شہید وکذا قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موت العالم موت العالم وفی
الکواشی من شتم امرا من اہل العلم بکلمۃ بالاجماع یکفر وتطلق امرأتہ
طلاقا بائنا عند محمد وقال صدر الشہید فی فتاوی بدیع الدین من
استخف بالعالم یکفر وتطلق امرأتہ بائنا وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیأتی زمان علی امتی یفرون من العلماء والفقہاء فیبتلیہم اللہ تعالی
بثلاث بلیات اولہا یرفع البرکۃ من کسبہم والثانیۃ یسلط اللہ تعالی
علیہم سلطانا ظالما والثالثۃ یخرجون من الدنیا بغیر ایمان کذا فی
مکاشفۃ الاسرار) ترجمہ فرمایا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس مومن نے
رنج وغم کیا کسی عالم کے مرنے سے لکھتا ہے خدا تعالیٰ واسطے اوس کے ثواب ہے
ہزار عالموں اور ہزار شہیدوں کا اور فرمایا آپ نے کہ مرنا ایک عالم کا گویا مرنا ایک جہان کا ہے
اور کواشی میں لکھتا ہے جو شخص کہ گالی دے کسی عالم کو فحش کلام سے پس کافر ہو جاتا ہے
وہ اور مطلقہ ہو جاتی ہے عورت اوسکی بطلاق بائن نزدیک امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے اور
کہا صدر شہید رحمہ اللہ علیہ نے فتاوی بدیع الدین میں جس نے حقارت اور اہانت کی
عالم کی کافر ہوا وہ اور مطلقہ ہوئی عورت اوسکی اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
قریب ہے کہ آئیگا ایک زمانہ امت میری پر کہ بھاگیں گے لوگ علما اور فقہا سے پس
مبتلا کریگا اون کو اللہ تعالیٰ تین بلاؤں میں اول اوٹھ جائے گی برکت کسب
اون کے سے دوم بھیجے گا خدا تعالیٰ اونپر بادشاہ ظالم سوم ایسے لوگ دنیا سے
بے ایمان جائینگے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ عالموں کی عزت کریں اور اون کی
صحبت سے فیض لیں اور اون کی شان میں کوئی کلمہ بے ادبی یا گستاخی کا نہ کہیں شامت

اعمال سے آج کل یہ سب باتیں موجود ہیں حدیث رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُؤْتَى بِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عِنْدَ بَابِ
الْجَنَّةِ بِغَيْرِ رُؤْيَةِ الْحِسَابِ وَالْعَذَابِ الْأَوَّلُ الْعَالِمُ الَّذِي عَمِلَ بِعِلْمِهِ وَ
الثَّانِي الْحَاجُّ الَّذِي حَجَّ بِغَيْرِ عَمَلِ الْفَسَادِ وَالثَّالِثُ الشَّهِيدُ الَّذِي قُتِلَ فِي
الْمَعْرَكَةِ وَالرَّابِعُ السَّخِيُّ الَّذِي اكْتَسَبَ مَالًا حَلَالًا وَأَنْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
بِغَيْرِ رِيَاءٍ فَيَتَنَازَعُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِدُخُولِ الْجَنَّةِ أَوَّلًا فَيُرْسِلُ اللّٰهُ تَعَالَى جِبْرَئِيلَ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ فَيَسْأَلُ الشَّهِيدَ أَوَّلًا فَيَقُولُ لَهُ مَا عَمِلْتَ فِي الدُّنْيَا وَأَنْتَ تُرِيدُ
دُخُولَ الْجَنَّةِ أَوَّلًا فَيَقُولُ قُتِلْتُ فِي الْمَعْرَكَةِ لِرِضَى اللّٰهِ تَعَالَى عَنِّي فَيَقُولُ مِمَّنْ
سَمِعْتَ ثَوَابَ الشَّهِيدِ فَيَقُولُ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَيَقُولُ احْفَظِ الْأَدَبَ وَلَا تَتَقَدَّمْ
عَلَى مُعَلِّمِكَ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى الْحَاجِّ فَيَقُولُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِلَى السَّخِيِّ فَيَقُولُ
مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَقُولُ الْعَالِمُ إِلٰهِي مَا حَصَّلْتُ الْعِلْمَ إِلَّا بِسَخَاوَةِ السَّخِيِّ وَبِسَبَبِ
إِحْسَانِهِ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ صَدَقَ الْعَالِمُ يَا رِضْوَانُ افْتَحْ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ
حَتّٰى يَدْخُلَ السَّخِيُّ الْجَنَّةَ وَهٰؤُلَاءِ بَعْدَهُ (كذا في مشكوة الانوار)

ترجمہ روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ لائے جائینگے
قیامت کے دن چار شخص بغیر حساب اور عذاب کے دروازہ بہشت پر اول عالم
باعمل دوم وہ حاجی کہ جسنے حج کیا بغیر تصور شر کے اور فساد کے سوم وہ شہید
کہ مارا گیا جہاد میں چہارم وہ سخی کہ حاصل کیا مال حلال اور خرچ کیا اسکو
خدا تعالی کی راہ میں بغیر ریا کے پس جھگڑینگے یہ لوگ باہم واسطے پہلے داخل
ہونے بہشت کے پس بھیجیگا خدا تعالی جبرئیل علیہ السلام کو تاکہ وہ انصاف کریں

درمیان اون لوگون کے پس وہ پوچھین گے پہلے شہید سے اور کہین گے اوس کو کہ
کونسا عمل اچھا کیا تو نے دنیا مین کہ آج ارادہ رکھتا ہے تو بہشت مین سب سے پہلے
جانے کا پس کہے گا وہ کہ قتل کیا گیا مین لڑائی مین تا کہ راضی ہو اللہ تعالی مجھ سے پس
پوچھین گے حضرت جبرئیل علیہ السلام کس سے سنا تھا تو نے ثواب شہادت کا پس
کہے گا شہید عالمون سے پس کہین گے اوس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ادب کر
اپنے معلم اوستاد کا اور پیشستی مت کر اوس پر بعد اوسکے مخاطب ہون گے طرف
حاجی کے اور کہین گے اوس کو بھی ایسا ہی پھر مخاطب ہون گے طرف سخی کے
اور کہین گے اوس کو بھی ایسا ہی بعد اوس کے کہے گا عالم خداوندا حاصل کیا مین نے
علم کو اور سخاوت سخی کے اور احسان اوس نے مجھ پر پس فرماوے گا اللہ تعالی جل شانہ
سچ کہا عالم نے بعد اس کے حکم کرے گا خداوند تعالی رضوان جنت کو کہ کھول دے
دروازے جنت کے تا کہ داخل ہو سخی پہلے سب سے اور لوگ بعد اوس کے

حدیث وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ
عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ وَكَذَا أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى إِبْرَاهِيمَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا عَلِيمٌ أُحِبُّ عَلِيمًا وَقَالَ حَسَنٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَيْهِ مِدَادُ
الْعُلَمَاءِ يُوزَنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ فَيَتَرَجَّحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ
عَلَى دَمِ الشُّهَدَاءِ وَكَذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
كُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ سَامِعًا وَلَا تَكُنْ رَابِعًا فَتَهْلِكَ قِيلَ يَا
رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ فَقَالَ الْعِلْمُ بِاللّٰهِ لِأَنَّ قَلِيلَ
الْعَمَلِ يَنْفَعُ مَعَ الْعِلْمِ وَإِنَّ كَثِيرَ الْعَمَلِ لَا يَنْفَعُ مَعَ الْجَهْلِ فَعَلَيْكُمْ

مِنْ هٰذَا اَنَّ الْعِلْمَ اَشْرَفُ مِنَ الْعِبَادَةِ وَلٰكِنْ لَا بُدَّ لِلْعَبْدِ مِنَ
الْعِبَادَةِ مَعَ الْعِلْمِ وَاِلَّا لَكَانَ عِلْمُهُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا وَقَالَ النَّظَرُ
اِلٰى وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ
اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا
وَالْحُوْتُ فِي الْبَحْرِ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ خَيْرًا (زبدۃ الواعظین)

ترجمہ فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت عالم
کی عابد پر اتنی ہے جتنی میری فضیلت ہے ایک ادنے تمہارے پر اور وحی
بھیجی اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کہ مین علیم یعنے عالم ہون
اور دوست رکھتا ہون عالم کو اور کہا حسن رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے روشنائی
عالمون کی دواتون کی جس سے اللہ کے واسطے مسائل دین کے لکھتے ہین
وزن کی جاے گی قیامت کے دن مقابلے مین خون شہیدون کے پس ترجیح
دی جائے گی سیاہی کو عالمون کی شہیدون کے خون پر اور ایسا ہی فرمایا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہو تو سکھانیوالا یا سیکھنے والا یا سننے والا
اور مت ہو تو چوتھا پس ہلاک ہوگا کہا کسی نے یا رسول اللہ کونسا عمل افضل ہے
فرمایا حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم دین کیونکہ تھوڑا عمل نفع
دیتا ہے علم کے ساتھ اور بہت عمل نفع نہین دیتا ہے ساتھ جہالت کے پس معلوم ہوا
اس سے کہ علم بہتر ہے عبادت سے مگر ضرور ہے بندے کو عبادت کو کرنا باوجود
علم کے ورنہ ہوگا علم اوس کا غبار پراگندہ یعنے بے فائدہ اور نظر کرنا چہرہ
عالم کی طرف عبادت ہے اور فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ تعالی کی

فرشتے اور اہل آسمان اور زمین یہان تک کہ چونٹیان اپنے سوراخون میں اور
مچھلیان دریا میں درود بھیجتے ہین اوس شخص پر جو کہ سکھاتا ہے لوگون کو
علم دین کا پس زہے نصیب اوس شخص کے جو علم دین کا شد سکھا وے
حدیث قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قِوَامُ الدُّنْیَا بِاَرْبَعَةِ
اَشْیَاءَ اَوَّلُهَا بِعِلْمِ الْعُلَمَاءِ وَالثَّانِیْ بِعَدْلِ الْاُمَرَاءِ وَالثَّالِثُ
بِسَخَاوَةِ الْاَغْنِیَاءِ وَالرَّابِعُ بِدَعْوَةِ الْفُقَرَاءِ وَلَوْلَا عِلْمُ الْعُلَمَاءِ
لَهَلَكَ الْجَاهِلُوْنَ وَلَوْلَا سَخَاوَةُ الْاَغْنِیَاءِ لَهَلَكَ الْفُقَرَاءُ وَ
لَوْلَا دُعَاءُ الْفُقَرَاءِ لَهَلَكَ الْاَغْنِیَاءُ وَلَوْلَا عَدْلُ الْاُمَرَاءِ
لَاَكَلَ بَعْضُ بَعْضًا كَمَا یَاْكُلُ الذِّئْبُ الْغَنَمَ **ترجمہ** فرمایا
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوطی دنیا کی چار چیزون سے ہے اول عالمونکے
علم سے دوسرے حاکمون کے عدل سے تیسرے مالدارونکی سخاوت سے چوتھے فقیرونکی
دعا سے پس اگر نہوتا علم عالمون کا تحقیق گمراہ ہوتے تمام جاہل اور اگر نہوتی سخاوت
مالدارونکی البتہ ہلاک ہوتے تمام فقیر اور اگر نہوتی دعا فقیرون کی ضرور ہلاک ہوتے تمام مالدار
اور اگر نہوتا انصاف امیرون کا کھاجاتے بعض آدمی بعض کو جیسا کہ کھاجاتا ہے بھیڑیا
بکری کو **حدیث** وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ دِرْهَمًا
عَلٰی طَالِبِ الْعِلْمِ فَكَاَنَّمَا اَنْفَقَ مِثْلَ جَبَلِ اُحُدٍ مِنَ الذَّهَبِ الْاَحْمَرِ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی
صَلٰوةً فِی الْجَمَاعَةِ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا لَمْ تَفُتْهُ رَكْعَةٌ كَتَبَ
اللّٰهُ لَهٗ بَرَاءَةً مِّنَ النِّفَاقِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی

الصُّبْحَ ثُمَّ جَلَسَ لِيَذْكُرَ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِيهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْفِ دُوسِ سَبْعِينَ
قَصْرًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّفِضَّةٍ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلُ
الصَّلٰوةِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ عَلٰى بَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ
هَلْ يَبْقٰى عَلَيْهِ وَسَخٌ قَالُوْا لَا قَالَ كَذٰلِكَ الصَّلٰوةُ تَغْسِلُ الذُّنُوْبَ (دقايق
الاخبار) ترجمہ فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس
شخص نے دیا کسی طالب علم کو ایک درہم کو یا کہ دیا اوس نے راہ خدا مین جبل احد کے
برابر سرخ سونا اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسنے نماز پڑہی جماعت کے
ساتھ چالیس دن کہ نہ فوت ہوئی اوسکی کوئی رکعت لکہتا ہے اللہ تعالی واسطے اوس کے
بیزاری نفاق سے اور فرمایا رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے جس نے نماز پڑہی
صبح کی اور بیٹہا واسطے ذکر خدا کے دیگا اللہ تعالی اوس کو ستر بالاخانے فردوس
مین سونے اور چاندی کے اور فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مثل نماز کی
مثل نہر جاری کی ہے تمہارے دروازے پر جو شخص غسل کرتا ہے اوس مین ہر دن
پانچ مرتبہ کیا باقی رہیگا میل اوس کے بدن پر پہر عرض کیا لوگون نے نہین فرمایا
حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی نماز پنج وقتہ دہو دیتی ہے
گناہون کو اور ہوجاتا ہے نمازی پاک صاف

محکمہ افتا

ضرورت ہے اسکی داعی ہیں کہ ہندوستان میں محکمہ افتا قائم کیا جاوے تاکہ جن مسلمانوں کو مسائل
دریافت کرنیکی ضرورت ہو وہ دریافت کرسکیں اور انہیں محقق اور جلد جواب ملے۔ اگرچہ
علما جواب دیتے ہیں مگر جہاں تک مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے وہ یہ
یا تو انہیں جواب سے محروم رہتے ہیں۔ اگر جواب ملا بھی تو بہت دیر میں اور جواب
محقق اور لائق اطمینان ہونا تو مشکل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علما کو اس اہم کام کی
طرف خاص توجہ نہیں ہے۔ درس تدریس وغیرہ مشاغل میں رہتے ہیں یہ تبعًا اور
ضمنًا ایسے ہی کر دیتے ہیں۔

اکثر کے خیال میں فتوی نویسی آسان امر ہے مگر حقیقت نہایت ہی مشکل ہے
اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں نے مسائل دریافت کیا جو ہو یا جو سامنے آگیا اوس سے
دریافت کیا لیکے علم جواب ہوا اور اس نے اپنے قیاس سے جو جی میں آیا کہہ دیا
یا بلا سوال [illegible] انکے بے سمجھے بوجھے اور بغیر کتاب ملاحظہ کیے ایک استفتے
فتوے دیئے ہیں بہت خفا ہوکے نہایت و خلاف ہیئے ہیں بلا تحقیق ہیئت سے حکم
کا اثر ایسے فتوے کے واسطے عموما شدید وارد ہوا ہے اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار
[illegible] ہوئے علما نے مقرر کیا ہے کہ جب تک عالم خاص کر تفسیر حدیث فقہ کو خوب جانتے ہیں
اس کام کے لیے معین کرے کہ وہ عام مسلمانوں کے سوالات کا جواب دیا کریں اور تصنیف و رسائل
تحقیق کیا کریں [illegible] جیسے ضروری مسائل کے مختصر رسالہ لکھی جا کر شائع ہوں۔ اس طور
[illegible] الحمد للہ فی الحال [illegible] ہو سکتا ہے کہ اہل ہند بڑی توجہ کریں اور اسکے لیے سلسلہ ہونا چاہیے
ایک علم خاص اسی کام پر مقرر رہتے ہیں جن صاحبوں کو جو مسائل دریافت کرنا ہوں [illegible] وقت
بھیجیں انشاء اللہ حتی الامکان جواب جلد دیا جائیگا مگر شرط ہے کہ دریافت کرنا [illegible] کی غرض سے ہو

فہرست

کتب مرقومہ ذیل نزد فدوی موجود ہیں جن حضرات کو خریداری منظور ہو
بذریعہ خط طلب فرمائیں المشتہر نقشبند

حدیقۃ الاحباب فی احوال اصحاب للعہد	کیمیاء انسان
دفاع الاسلام ؎	خلاصہ خلافۃ الاقیار
جفر و عیافہ عہ ۸	قصہ حور بنت ڈلہ
تحفہ جبریت عہ ۸	سلوک حقیقی
تفرقہ بین الاسلام و زندقہ اردو ۱۰	دیوان مرزا ساہم
لمعات محبت و شوق مصنفہ مولوی محمد علی حبیب صاحب ۸	فلاح کونین شمائل حرمین شریفین
حقیقت روح انسانی ۲	تریاق اعظم
شرح روح شریف ۲	باغ [illegible]
دیوان خاموش ۴	ملفوظات خواجہ عبداللہ
معلم بیطار عہ ۸	مراۃ العاشقین
علاج الباہ ۱۲	شرح رباعیات جامی
مجموعہ فتاوی عزیزی اردو [illegible]	شرح لمعات شرح سوسہ
خلاصۃ الکلام قتل ۲	

تحفہ سبحانی ترجمہ فتح ربانی جو حضرت محبوب سبحانی کا وعظ شریف و مجالس شریف جو نہایت [illegible]

ماسوا اس کے اور بہت سی کتب مشتہر کے پاس موجود ہیں حسب الطلب ارسال خدمت کی جاویں گی المشتہر ملا محمد مراد تاجر کتب شہر و نقار خانہ قدیم بیگم خان بیگم با[illegible]